آگہی کی منزل پر
رضیہ سبحان قریشی
آگہی کی منزل پر
رضیہ سبحان قریشی
WELCOME
BOOK PORT
Razia

انتساب

اپنے پیارے نواسے علی، یحییٰ، ابراہیم

اور

آنے والی نسلوں کے نام

جو ہم سب کی امیدیں ہیں

ترتیبِ مندرجات

Razia
ubhani\Fin

حصہ نظم 183

آگہی کی منزل پر جس گھڑی قدم رکھا
پھر تو ہم نے خالق کو اپنے جا بجا پایا

رضیہ سبحان قریشی کا پانچوں چراغ

محمود شام

پروفیسر رضیہ قریشی کو مشاعروں میں سنا بھی تھا۔ ایک وقار اور متانت کے ہالے میں گھری ہوئی۔ ادبی رسائل میں ان کی غزلیں نظمیں بھی پڑھیں لیکن ان کی شخصیت اور شاعری نے ہمارے دل میں گھر اس لمحے کیا جب ہم ماہنامہ 'اطراف' کا ریٹائرمنٹ نمبر نکالنے جا رہے تھے۔ اکثر اساتذہ نے اپنے مضامین سے نوازا۔ ان میں سے کم و بیش سب نے ہی ایک نظم اس موضوع پر ساتھ ارسال کی۔ یا اس کا تذکرہ کیا۔ ریٹائرمنٹ پر بہت ہی خوبصورت اور دل کو گداز کر دینے والی نظم پروفیسر رضیہ سبحان قریشی کی تھی۔ ریٹائرمنٹ ہر ذی شعور کی زندگی کا ایک ناگزیر مرحلہ ہے۔ لیکن رضیہ سبحان کی طرح کتنے صاحب نظر ہوں گے جو اسے موضوع سخن خیال کرتے ہوں۔ 'اطراف' کے علاوہ کس جریدے نے ریٹائرمنٹ کو اشاعتِ خاص کا حقدار سمجھا۔

اس نظم سے ہی مجھے رضیہ سبحان قریشی کی شدتِ احساس کا اندازہ ہوا کہ اپنے گرد و پیش کا کتنا ادراک رکھتی ہیں۔ زندگی کے اسرار جاننے کے لیے کتنا انہماک ہے۔ کائنات۔ زمان و مکاں۔ شعور و لاشعور۔ زندگی کے بعد زندگی۔ موت کا ہنگامہ۔ یہ ہر صاحب درد کی فکر کے مراحل ہوتے ہیں۔ کچھ تو زندگی کے ہنگاموں میں اتنا کھو جاتے ہیں کہ اپنے آپ کو جاننے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے۔ اور ایک دن انہی کی نذر ہو جاتے ہیں۔ لیکن حرف و معانی۔ علم و دانش سے رشتہ استوار کرنے والے زندگی کے ہنگاموں سے

Razia

خوف زدہ نہیں ہوتے بلکہ انہیں اپنی دسترس میں لانے کی کوششوں میں لگ جاتے ہیں۔ حیرتیں ان کا راستہ روکتی ہیں۔ حسرتیں پاؤں کی زنجیر بنتی ہیں۔ لیکن وہ یہ سفر جاری رکھتے ہیں۔ حقیقت کی جستجو انہیں ہر لمحے مستعد بھی رکھتی ہے اور مصروف بھی۔ اسی سفر میں ان پر اپنی ذات کی عظمت۔ اہمیت اور وقعت عیاں ہوتی ہے کہ وہ روئے زمین پر بلا سبب نہیں اتارے گئے۔ وہ زمانے کو چیلنج کرتے ہیں۔

مجھ کو مدفون کرنے والوں کو
یہ خبر کب کہ ایک بیج ہوں میں

بالکل نئی فکر۔ اپنے آپ کو جان لینے کا اعتماد۔
حقیقت کو جاننے کی دُھن رضیہ سبحان قریشی کو

1۔ سرد آگ
2۔ خاموش دستک
3۔ سیپیاں محبت کی
4۔ مکاں لامکاں

سے گزرتے ہوئے ''آگہی کی منزل'' تک لے آئی ہے۔ اس منزل پر پہنچ کر بھی تشنگی ختم نہیں ہوتی ہے۔ منزلیں آواز دیتی رہتی ہیں۔ راستے پاؤں چومنے کو بے تاب رہتے ہیں۔

عجیب آنکھ مچولی سی زندگی میں رہی
جو اسکو ڈھونڈنے نکلے تو کھو دیا خود کو

حقیقت تک پہنچنے کے لیے خود کو کھونا پڑتا ہے۔ خود کو کھونا بھی دراصل خود کو پانا ہی ہے۔ خود کو جانے بغیر خود کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

اسے میں زیست کا حاصل کہوں کہ لا حاصل

اسے تو ڈھونڈ لیا ہے ۔ گنوادیا خود کو

رضیہ سبحان قریشی کے ہاں خود کی تلاش نئے نئے افکار۔ تراکیب۔ تلمیحات استعارے تراشنے کا محرک بنتی ہے۔کہیں کہیں تو مجھے رضیہ سبحان کو صوفی کہنے کا دل چاہتا ہے۔وہ طریقت کی حدود کو چھوتی ہیں۔مگر پھر ہاتھ لگا کر واپس آ جاتی ہیں۔

سنا ہے ہر جگہ موجود تم ہو
مجھے پھر کیوں تمہاری جستجو ہے

☆☆☆

آ گہی کی منزل پہ جیسے ہی قدم رکھا
ہم نے اپنے خالق کو پھر تو جا بجا دیکھا

☆☆☆

وہ آنکھ دیکھتی ہے۔ مگر دیکھتی نہیں
جو آنکھ یادِ رب میں نہ آنسو بہا سکے

'تلاش حق' ان کو یقیناً بے چین بھی رکھتی ہوگی۔لیکن یہ متلاشی کو ایک نیا عزم دیتی ہے۔راحت پہنچاتی ہے۔کچھ کچھ تسکین کا ذریعہ بھی بنتی ہے۔اس جستجو سے متلاشی پر اسکی اپنی ذات کی جہات بھی منکشف ہوتی ہیں۔

مسکراتے ہوئے سورج نے کہا
خود کو ڈھونڈو تو اُجالے ہوں گے

خود کی تلاش ہی مطلق سے وصال تک لے جاتی ہے۔
تلاش کے اس سفر میں کائنات کے بھید کھلتے رہتے ہیں۔

چاند کو روشنی عطا کر کے
روز مرتا ہے رات کو سورج

مجھے نہیں معلوم حقیقت میں بھی رضیہ اپنے آپ سے اپنے وجود سے ہمکلام ہوتی ہیں کہ نہیں۔

اپنے آپ سے سوال کرتی ہیں کہ نہیں کہ میں کیوں ہوں۔کہاں ہوں۔کب ہوں اور کب نہیں ہوں۔

لیکن انہوں نے مولانا رومی کی جن نظموں کو اُردو قالب پہنایا ہے۔ان سے یقیناً اس آگ کی تپش پڑھنے والے کو جھلتی ہے کہ وہ خود سے یہ سوالات کرتے کرتے رومی تک جا پہنچی ہیں۔ہم نے رومی کو اقبال کے ذریعے جانا۔اب کچھ کچھ رضیہ سبحان کے ذریعے رومی کے جہان فکر میں جھانکنے کا موقع ملا ہے۔'سفر' کے زیر عنوان نظم زمان و مکان کی لامحدود وسعتوں میں لے جاتی ہے۔بہت ہی آسان زبان میں بات پہنچائی جا رہی ہے۔

'رومی' کو ترجمہ کرنا بہت مشکل مرحلہ ہے۔پہلے تو ان کو سمجھنا۔اصل مفہوم تک رسائی۔ پھر اسے اپنی زبان میں منتقل کرنا۔اور منظوم۔یہ ایک صاحب دل ہی کر سکتا ہے۔جسکا اپنا دل رومی کی طرح گداز ہو۔رومی کو تو خود یہ منزل شمس تبریزی کی غلامی سے ملی۔پہلے تو حضرت رومی سے رجوع پھر خاص نظموں کا انتخاب۔رضیہ سبحان کی حقیقت کی جستجو کی گواہی دیتا ہے۔

ہر چند ہمارے گردو پیش مایوسیاں ہیں۔نا اُمیدی ہے۔لیکن رضیہ زندگی کو اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا تحفہ خیال کرتی ہیں وہ آگے دیکھنا چاہتی ہیں۔منزل کی طرف گامزن رہنا چاہتی ہیں۔

یہ کہاں ضروری ہے۔ ہر چراغ ہو روشن
اک دیے کا جلنا بھی موت ہے اندھیرے کی
ہمیشہ شکر کا کلمہ رہا ہے وردِ زباں
کسی بھی طور دلِ چاک تک گئے ہی نہیں

میں نقاد نہیں ہوں۔شعر و سخن کا سیدھا سادا قاری ہوں۔اس لیے کسی شعر کو کسی خانے

میں نہیں اتار سکتا۔ترقی پسند کہوں یا رجعت شعار۔آج کل ساختیات۔جدیدیت۔مابعد جدیدیت کے لاحقے لگانے کا شوق ہے۔ایسی اصطلاحات استعمال نہ کی جائیں تو نقاد کا دبدبہ نہیں بیٹھتا۔شاعری تو شاعری ہے شعری تجربہ صرف حساس دلوں اور کھلے ذہنوں میں ہی کامیاب ہوسکتا ہے۔یہ فصل ان مزاجوں میں ہی پک سکتی ہے۔جہاں دردموجزن ہو۔کرب لطف دیتا ہو۔اس شعر کو دیکھئے۔خیال کی گہرائی۔اورمصوری کا کمال۔

جب کسی اور کو وہاں دیکھا
میں ترے خواب سے نکل آئی

رضیہ سبحان قریشی اپنے محسوسات کو آسان الفاظ اور چھوٹی بحروں میں اپنے سامع اور قاری تک پہنچانے کا کمال رکھتی ہیں۔غزل ان کا خاص ذریعۂ اظہار ہے۔ان کے کلام کی پہنائیوں سے گزرتے ہوئے مجھے بار بار یہ احساس ہوا کہ وہ اکثر شاعرات کی طرح توجہ مبذول کروانے یا چونکانے کے لیے 'نسائیت' کا استعمال نہیں کرتیں۔بعض کے ہاں تو بہت ہی شعوری کوشش اس سلسلے میں دکھائی دیتی ہے۔بعض خواتین تو صرف اسی لہجے تک محدود ہو جاتی ہیں میں پھر کہوں گا کہ شاعری تو شاعری ہے۔اسے مردانہ اور زنانہ خانوں میں نہیں بانٹنا چاہیے۔یہ انسانی محسوسات۔قلبی وارداتوں۔تخیل کی پرواز کی تصویر کشی ہے۔

پہلے تنہائی کا کرب سب سے زیادہ محسوس ہوتا تھا۔بھیڑ اور ہجوم کے ہوتے ہوئے اکیلا پن موضوع سخن ہوتا تھا۔اب ماں باپ حقیقی تنہائی میں مبتلا ہیں۔بیٹے دوسرے ملکوں کے ہوکر رہ گئے ہیں۔بیٹیاں اپنے اپنے گھروں کو سدھار جاتی ہیں۔ماں باپ اکیلے رہ جاتے ہیں۔اور جب وہ اپنے معمولات۔روزگار سے فارغ ہوجاتے ہیں تو تنہائی کی شدت اور بڑھ جاتی ہے۔یہ آج کے دور کا اور پاکستان جیسے پسماندہ ممالک کا سب سے الم انگیز رویہ ہے۔رضیہ سبحان کی نظم ''کاش''۔اس المیے کو جذبے کی شدت کے ساتھ بیان کرتی ہے۔جس میں تڑپ بھی ہے۔محبت بھی۔خیال کی اُڑان بھی۔ایک ماں کی ممتا بھی۔اس کا آغاز ملاحظہ کیجئے۔

Razia
ubhan\Fin

آشیانے سے اُڑ گئے پنچھی
زندگی کی تلاش میں نکلے

اوراس کا انجام بہت ہی دل گداز۔

کاش دُنیا سے ہو کے بیگانہ
ان پرندوں کو پاس ہی رکھتی
خوب ان سے میں کھیلتی ہنستی
زندگی کے سبھی مزے لیتی
اسطرح وہ نہ پھر جُدا ہوتے
اس محبت سے آشنا ہوتے
جو مری اب متاعِ دینا ہے

''آگہی کی منزل' یقیناً اُردو شاعری میں ایک خوشگوار اضافہ ہوگا۔جس میں شعریت کی پوری لذتیں۔الطاف۔اوصاف بھی ہیں اور اپنے عہد کا آشوب بھی۔وہ کھلی آنکھوں۔تڑپتے دل۔سوچتے ذہن کے ساتھ اپنے گردوپیش کو دیکھتی ہیں۔جب وہ شعری تجربہ پختہ ہوجاتا ہے پھر اسے الفاظ کے قالب میں ڈھالتی ہیں۔

پانچویں تصنیف پر انہیں مبارکباد۔شہباز قلندر یاد آجاتے ہیں۔

چار چراغ ترے بلن ہمیشہ
پنجواں میں بالن آئی

جھولے لالن دا۔سندھڑی دا۔سیہون دا

اردو شاعری کے ذخیرے میں ایک اہم اضافہ

پروفیسر رضیہ سبحان قریشی ہمارے عہد کی ایک معتبر شاعرہ ہیں۔ میں نے انھیں پڑھا بھی ہے، شعری نشستوں میں سنا بھی ہے اور ان کی چند کتابوں پر تاثراتی مضامین بھی لکھے ہیں۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ ان کی شاعری دل اور دماغ دونوں کو اپیل کرتی ہے۔ اس میں روایت کی جڑیں بھی ملتی ہیں اور جدیدیت کی ٹھنڈی ہوائیں بھی۔ انھیں نظم اور غزل دونوں اصناف پر یکساں عبور حاصل ہے بلکہ اُن کی بعض نظمیں غزلوں کو پیچھے چھوڑ گئی ہیں۔ بحیثیتِ مجموعی مجھے ان کے کلام میں مقصدیت کا عنصر نظر آیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ آج بھی شاعری کو وقت کا زیاں سمجھتے ہیں، غلطی پر ہیں۔ اس لحاظ سے وہ مجھے حالؔی کے ورثے کی امین لگتی ہیں۔

پروفیسر صاحبہ کی اب تک چار کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور پانچویں ''آ گہی کی منزل

پر'' کا مسودہ اس وقت میرے زیرِ مطالعہ ہے۔ اس میں غزلیں بھی ہیں، نظمیں بھی اور متفرقات بھی۔ غزلوں میں عام طور پر حسن و عشق، ہجر و وصال اور حزن و ملال کی کیفیات رقم کی جاتی ہیں کیوں کہ یہی غزل کی ڈیمانڈ ہے اور یہی قاری کو ذہنی آسودگی بخشتی ہے۔ لیکن، جیسا کہ حالؔی نے کہا تھا، ایک شاعر کا کام یہی نہیں کہ وہ ہمیشہ نرم و نازک اور خوشگوار باتیں کرتا رہے، اس کا یہ بھی فرض ہے کہ اگر تلخیوں کی ضرورت محسوس کرے تو وہ بھی پیدا کرے۔ اس قولِ فیصل کی روشنی میں پروفیسر رضیہ سبحان قریشی کے مندرجہ ذیل اشعار میں پنہاں تلخیوں کو محسوس کیجیے۔

جب سے اندھے ہوئے شہر کے آئینے
اور بھی ہوگئے دیدہ ور مطمئن
حبس ہے پھر بھی کھڑکیاں ہیں بند
شاید اس گھر میں بیٹیاں ہیں بند
حقیقت ہم پہ اسی دن کھل گئی ہے
کبھی جو آگہی سے گفتگو کی

اتنے کھرے اور (کسی حد تک) ''کھرّے'' لہجے کی شاعرہ جب نرم کلامی اختیار کرتی ہیں تو زبان و بیان پر ان کی گرفت حیران کر دیتی ہے۔ درجِ ذیل اشعار غزل کی شان اور عشقیہ شاعری کی جان قرار پائیں گے۔

مل جائے محبت میں جو اک بار اجازت
مرنے کے لیے ہم تو ہیں تیار، اجازت
اقرار ہی اقرار ہے ہر بات میں اُس کی
بھولے سے کبھی مانگی تھی اک بار اجازت

میں لوٹ کے بھی لوٹ سکی ہوں نہ وہاں سے

پائی تھی جہاں سے مرے سرکار اجازت

اور پھر لہجے کی یہ جھنجھلاہٹ بھی ملاحظہ ہو۔

غم تو غم ہیں آپ کی خاطر خوشی بھی مسترد
آپ کہتے ہیں تو لیجیے زندگی بھی مسترد
ہم بیاں کرتے بھی کیسے حالِ دل اپنا جہاں
گفتگو بھی مسترد ہو خامشی بھی مسترد
ضبط کا رضیہ مقامِ منجمد آ ہی گیا
ہوگئی ہے چشمِ گریہ کی نمی بھی مسترد

پروفیسر رضیہ سبحان قریشی کی نظموں میں فکر کی گہرائی اور مشاہدے کی گیرائی پائی جاتی ہے۔موضوعات کے انتخاب میں خاصی باریک بینی کا ثبوت دیا گیا ہے۔چنانچہ اکثر مقامات پر احساس ہوتا ہے میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے۔چند نظموں کے موضوعات وہی ہیں جنھیں ہم صحافت کی اصطلاح میں Current Affairs (حالاتِ حاضرہ) سے تعبیر کرتے ہیں اور جن کے بارے میں ہر ذی شعور شخص سننا، پڑھنا اور بولنا پسند کرتا ہے۔مثلاً ''ایک تصویر'' کا موضوع وہ تین سالہ کرد نژاد شامی بچہ (ایلان) ہے، جس کی سمندر پر بے گور وکفن پڑی ہوئی لاش ستمبر 2015ء میں سوشل میڈیا پر وائرل ہوگئی تھی۔اس نظم کا اختتام ان جاں سوز الفاظ میں ہوتا ہے۔

وہ بچہ سو گیا ہے ایسے
جیسے تتلی اڑتے اڑتے
تھک کر پھول پہ سوئے
کوئی ہے آج جو انسانیت کے
نام پہ روئے !!

ایک نظم ''کاش''میں تلاشِ معاش کے لیے اپنے وطن اور گھر بار سے دور جانے والے

بچوں کے والدین کا المیہ بہت دل گداز انداز میں رقم کیا گیا ہے۔ذرا ان اشعار میں چھپے کرب کو محسوس کیجیے۔

کاش دنیا سے ہو کے بیگانہ
ان پرندوں کو پاس ہی رکھتی
خوب ان سے میں کھیلتی ہنستی
زندگی کے سبھی مزے لیتی
اس طرح وہ نہ پھر جدا ہوتے
اس محبت سے آشنا ہوتے
جو مری اب متاعِ دنیا ہے !!

اسی طرح ''سانحۂ پشاور'' کے بارے میں نظم انسانی ضمیر پر دستک دیتی ہے۔
''محبت''، ''سوچ'' اور ''دسمبر'' جیسی نظموں میں حسن وعشق کے مضامین بھی در آئے ہیں۔
ان سب سے بڑھ کر، اس مجموعے کا ایک امتیازی وصف یہ ہے کہ اس میں کلامِ مولانا رومؒ کے تراجم پر مبنی چند بصیرت افروز نمونے پڑھنے کو ملتے ہیں۔رومیؒ کو علامہ اقبال اپنا روحانی استاد سمجھتے تھے اور اس میں شک نہیں کہ علامہ اقبالؒ کے کلام میں 'مولائے روم'' کے تصوف کی جھلکیاں ملتی ہیں۔مولانا رومیؒ کی شاعری صوفیانہ اور درویشانہ خیالات سے پُر ہے۔مگر جو چیز ان کی شہرت وعظمت کا باعث اور ان کا شاہکار ہے وہ ان کی مثنوی ہے، جس کے تعلق سے یہ شعر زبان زدِ خاص وعام ہے۔

مثنوئ، مولوئ، معنوی
ہست قرآں درزبانِ پہلوی

مثنوی میں مولانا نے تمام مسائلِ تصوف کو حکایات اور نصیحت آموز قصوں سے حل کیا۔ایسے نازک اور روحانیت سے مملو کلام کا ترجمہ (خواہ کتنے ہی محدود پیانے پر کیوں نہ ہو) آسان کام نہیں۔پروفیسر صاحبہ اس آزمائش میں پوری اتری ہیں۔محترمہ نے ان

تراجم میں Letter and spirit (متن اور روح) کا بھرپور ابلاغ کیا ہے جو دونوں زبانوں پر کامل دسترس کے بغیر ممکن نہ تھا۔ میں ایک مثال پر اکتفا کروں گا:

تو اپنے آپ میں کھو جا
تو اپنے آپ کو پالے
کہ تیرا یہ سفر
اسی خاک کو کندن بنادے گا
تجھے تیرا پتا دے گا
تجھے مجھ سے ملا دے گا!

پروفیسر رضیہ سبحان قریشی کے اس مجموعے کو میں اردو شاعری کے ذخیرے میں ایک اہم اضافہ قرار دوں گا۔ ماشاء اللہ جس تیزی سے وہ فکر و آگہی کی منزلیں طے کر رہی ہیں، میں ان میں مزید "خیر و برکت" کے لیے دعا گو ہوں۔

Other\well Come books\2019 Books\Pof Razia Subhan\Final Book\AGAHI LATTER 03.jpg not found.

Razia
ubhan\Fin:

رضیہ سبحان کی شاعری کے نئے رخ

غلام مصطفیٰ ناصر

رضیہ سبحان صاحبہ کی شاعری نئے زاویوں کی شاعری ہے۔ اس میں کچھ نئے مضامین ہیں جن کی خوب صورت لفظوں سے منظر کشی کی گئی ہے اور کچھ نئے رُخ جو دلکش بھی ہیں اور اچھوتے بھی ہیں جن کو پالینے کی تمنا مچلتی ہے۔ اک تشنگی جو کہیں نہ کہیں جاگتی رہتی ہے نظر آنے والا ٹھہراؤ آخری لفظ کے گزرنے تک تشنگی جگا چکا ہوتا ہے۔ یہ تشنگی قرار کی جستجو میں اِک اور نیا پن دریافت کر لیتی ہے۔ اِسے اوڑھ لیتی ہے اپنا روپ بنا لیتی ہے۔

رضیہ سبحان کی شاعری کا نیا روپ جس میں گزرے وقت کی چاشنی اور آنے والے وقت کی مہک محسوس کی جا سکتی ہے۔

اس میں آس بھی ہے اور یاس بھی۔ تشنگی کا نیا سفر اور یاس کا سفر ہے توانائی کا سفر ہے جو گزرتے وقت کے ساتھ روپ بدل لیتا ہے، نام بدل لیتا ہے مگر منزل وہی ہے جس کے سارے رستوں میں محبت کے رنگ بکھرے ہیں اور آہنگ وہی ہے جس میں رضیہ سبحان کی پہچان دھڑکتی ہے اور شناخت رچی بسی ہے۔

ہنر کی پختگی نے سادگی کا ایسا انداز اختیار کیا ہے کہ جس سے شاعرہ نے ہر طرح کے موضوعات کو نہایت عمدگی سے سپردِ قلم کیا ہے اور شاعرانہ لطافت کے ساتھ معنوی حسن کو بھی فزوں تر کیا ہے۔

رضیہ سبحان کی شاعری نے یہ وجدان بھی دیا ہے کہ ہئیتیں کبھی تکمیل کو نہیں پہنچتیں۔ کیفیتوں کے بدلنے کا عمل مسلسل رہتا ہے۔زندگی کے ہر موڑ پر نیا روپ آشکار ہوتا ہے، یہی ہستی ہے اور یہی اس کا گردوپیش ہے جس نے اسے تھام رکھا ہے۔

اگر کوئی دیکھ نہ پائے یا محسوس نہ کر پائے تو وہ سویا ہوا ہے اور سوئے ہوئے کا وجود نہ ہونے کے برابر ہے چاہے دنیا زیروزبر ہوجائے۔رضیہ سبحان کی شاعری جاگتی ہوئی شاعری ہے۔ہر نئے احساس کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے۔دھیرے دھیرے اظہار کرتی ہے۔پردے کی اور سے جلوہ دکھلاتی ہے اور آخر مکمل طلوع ہو کر سارے منظروں کو اُجلا اُجلا کر دیتی ہے۔

یہ سارے وصف شاعرہ، مصورہ اور اُستاد کے ہیں۔رضیہ سبحان کی ذات اِن تینوں اوصاف سے تکمیل پاتی ہے۔خوابوں کی تعبیر کی لگن میں نئے رنگ، نئی مہک اور نئی روشنی بانٹتی رہتی ہیں۔

ان کی شاعری کا ارتقائی سفر اکتسابی بھی ہے اور وجدانی بھی ہے۔شاعرہ نے وقت کی مُہار کو ہمیشہ تھامے رکھا ہے ہر دور کے مشاہدے کو کیفیتوں میں جگا کر خوب صورت انداز میں قرطاس کی زینت بنایا ہے۔اک نامعلوم کھوج بھی ہے جو لفظوں کے اندر ہی کہیں دھڑکتی ہے۔

کنارے سے پانیوں کی گہرائی کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔اندر تک اُترو تو جانو کتنی گہرائی میں کتنے خزانے ہیں۔یہی بات رضیہ سبحان کی شاعری پر پوری اُترتی ہے۔

شاعری کے طویل سفر اور ریاضت کے بعد ایسی ہی خوب صورت اور سنجیدہ شاعری تخلیق پاسکتی تھی جو باذوق قارئین کے لئے توشۂ خاص ہو۔بجا طور پر رضیہ سبحان صاحبہ نے عُمدہ شاعری تخلیق کر کے اردو ادب میں خوب صورت شاعری کا اضافہ کیا ہے اور اب فکرو خیال کے نئے آسمانوں کو چُھو لینے کی جستجو میں ہے۔

میں رضیہ سبحان صاحبہ کی نئی کتاب پر انہیں مبارکباد پیش کرتا ہوں اور تخلیقی سفر کی مزید کامیابی کے لئے دُعا گو ہوں۔

غلام مصطفیٰ ناصر

آ گہی کی منزل پر

آ گہی کی منزل پر اپنی پہلی کتاب سرد آگ کی چنگاریوں کو سلگاتے ہوئے دوسری کتاب خاموش دستک سے ساعتوں کو جگاتے ہوئے پھر تیسری کتاب سیپیاں محبت کی بانٹتے ہوئے اور چوتھی کتاب مکاں لامکاں سے ہوتے ہوئے آج الحمدللہ پانچویں کتاب آ گہی کی منزل پر آ پہنچی ہوں۔آ گہی کی منزل پر پہنچنا یا خود کو محسوس کرنا ہر انسان کی اپنی اپنی ذہنی و قلبی واردات ہے۔اپنے اپنے فہم وفراست کی روشنی میں متعین کردہ شعوری راستوں پر چلتے ہوئے آ گہی کی منزل تک کا سفر ایک کٹھن مرحلہ ہے۔اس کیفیت کا خاتمہ کبھی نہیں ہوا کرتا۔ یہ پرت در پرت نئے اسرار و رموز سے آشنائی کا نام ہے۔یہ ایک ایسے جہان کی شروعات ہے جو اپنے آسمان میں نئی وسعتیں اور جہتیں لئے متجسس انسان پر نئی کہکشاؤں کے در وا کرتا ہے اور اسی تسلسل میں منیر نیازی صاحب کا یہ شعر اپنے خیال کی تصدیق کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے کہ ؎

اِک اور دریا کا سامنا تھا منیؔر مجھ کو
میں ایک دریا کے پار اترا تو میں نے دیکھا

ابھی تو مجھے آ گہی کا حسن اپنی روح میں قطرہ قطرہ مثلِ آبِ حیات اترتا ہوا، گرتا ہوا محسوس ہورہا ہے مگر میں جانتی ہوں کہ ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں۔

دوستو! میری پچھلی تخلیقات کی طرح آج یہ کتاب اور فیصلہ بھی آپ کے ہاتھوں

میں ہے۔

اس کتاب میں اپنی قیمتی آراء سے نوازنے کے لئے محترم محمود شام صاحب، ڈاکٹر معین قریشی صاحب اور محترم غلام مصطفیٰ ناصر صاحب کی دل سے ممنون ہوں جنہوں نے اتنی مصروفیات کے باوجود اپنا قیمتی وقت دیا۔ ان کے علاوہ اپنی بیٹی سماں طالبہ سیما لیاقت کی محبتوں کی دل سے قدر دان ہوں کہ انہوں نے کتاب کی تیاری پر بہت کام کیا ہر لحہ میرے ساتھ رہیں۔ اپنے پیارے بچوں کے لئے دعا گو ہوں کہ ان کا وجود میری سانسوں کی بحالی کا ضامن ہے اور ان کی محبت میرے تخیل کی پرواز ہے۔ میں اپنے قاری کی بھی دل سے قدر کرتی ہوں جن کی پذیرائی نے ہمیشہ میرے قلم کو متحرک رکھا اور آگہی کی منزل تک پہنچایا۔

سلامت رہیں۔

طالب دعا

پروفیسر رضیہ سبحان قریشی

14 مارچ 2019

سورۂ فاتحہ کا ترجمہ

شکر پروردگارِ عالم کا
جو نہایت رحیم اور رحماں

جو ہے روزِ جزا کا مالکِ کُل
اے مرے رب ہمرے عظیم خدا

ہر بشر کو ہے صرف تجھ سے طلب
مانگتے ہیں فقط تری ہی مدد

اے خدا سیدھی راہ دکھلانا
جس پہ چلنے سے استقامت ہو

Razia
ubhan\Fin:

راستہ اُن کا جن پہ برسائیں
بے بہا نعمتوں کی برساتیں

نہ کہ وہ راستہ، کہ جس پہ چلے
اور گمراہیوں کے جل میں گرے

مالک کل دعائے دل سن لے
نیک بندوں میں تو ہمیں چُن لے
آمین!

■ ■ ■

نعت

آقائے دو عالم کی اطاعت مری منزل
محبوبِ خداوند کی مدحت مری منزل

میں خاکِ مدینہ ہوں بشر نام ہے میرا
اُس نسبتِ عالی سے عبارت مری منزل

تقلیدِ کفِ پائے محمدؐ کی ہو توفیق
ہو اِن کے اصولوں کی اطاعت مری منزل

کیا جانیئے کب آئے میسر یہ حضوری
ہے روضۂ اقدس کی زیارت مری منزل

دنیا میں ہے منزل مری دربارِ مدینہ
عقبیٰ میں ہے آقا کی شفاعت مری منزل

جاگی ہوں کہ سوئی ہوں کہ زندہ ہوں مردہ
ہے آپؐ سے ہر لمحہ عقیدت مری منزل

دھڑکن کی علامت ہو سدا نامِ محمدؐ
بس آپؐ سے ہو میری محبت مری منزل

■ ■ ■

سلام

وعدے کو اپنے آج نبھایا حسین نے
معراجِ عشق کیا ہے بتایا حسین نے

آلِ نبی کی پیاس جو دیکھی امام نے
پانی کو پھر نہ ہاتھ لگایا حسین نے

ایثار کیا ہے صبر و رضا اور اجل ہے کیا
پردہ ہر ایک شے سے اٹھایا حسین نے

شیرازۂ حیات تھا بکھرا ہر ایک سو
پھر زلفِ زندگانی سجایا حسین نے

پیارے نبی کا جو بھی تھا وعدہ خدا کے ساتھ
خوں دے کے اپنا اس کو نبھایا حسین نے

یاد آ گئی ہے جب بھی کبھی شامِ کربلا
رضیہ کو اپنے غم میں رلایا حسین نے

■ ■ ■

غزلیات

■

شعور و معنی و ادراک تک گئے ہی نہیں
مقامِ پردۂ افلاک تک گئے ہی نہیں

حصول اس کا نہ دشوار تھا کچھ ایسا بھی
مگر ہم مالکِ املاک تک گئے ہی نہیں

عجب جھجک سی رہی عمر بھر عبادت میں
حیا سے جذبہ بے باک تک گئے ہی نہیں

ہماری خشک زمیں پر گھٹا برس جاتی
مگر یہ دیدہ نمناک تک گئے ہی نہیں

ہمیشہ شکر کا کلمہ رہا ہے وردِ زباں
کسی بھی طور دل چاک تک گئے ہی نہیں

جبیں کو لذتِ بوسہ نصیب ہو کیونکر
خیال و خواب سے ہم خاک تک گئے ہی نہیں

■ ■ ■

چن کر تمام ٹوٹے ہوئے دل کی کرچیاں
ہم نے کمالِ فن سے نیا دل بنا لیا

■ ■ ■

■

فصیلِ شب کی سیاہی میں روشنی دیکھوں
تمام بجھتے چراغوں میں زندگی دیکھوں

مسائلِ دلِ آزردہ حل نہ ہوں گے کبھی
کہ اک نگاہ میں بے لاگ برہمی دیکھوں

ہے اضطرابِ محبت کا شور نس نس میں
میانِ دل تو قیامت کی خامشی دیکھوں

مزا بہت ہے بہت ٹوٹ کر بکھرنے میں
شکستگی میں عجب عزم آہنی دیکھوں

لگا کے دام خودی کا کبھی سرِ بازار
قد آوروں کی ذرا میں قد آوری دیکھوں

تری صدا مرے دل کا پیامِ آخر ہے
تری ادا میں سنورتی یہ سادگی دیکھوں

بلندیوں سے گرا کر کسی کو ساتھ اپنے
نشیبِ راہ میں پھر شوقِ ہمرہی دیکھوں

زمانہ عکسِ ستم دل مگر قلندر سا
یہ آرزو ہی رہی رسمِ عاشقی دیکھوں

■ ■ ■

■

صرف تیرا پتہ سمجھتی ہوں
خود کو میں گمشدہ سمجھتی ہوں

جو مرا اصل مجھ کو دکھلا دے
میں اسے آئینہ سمجھتی ہوں

زندگی مختصر سہی لیکن
موت کو راستہ سمجھتی ہوں

یہ نہ ملتا اگر تو مرجاتی
درد کو میں دوا سمجھتی ہوں

جانے کیوں اس کے عہد وپیاں کو
جھوٹ کی انتہا سمجھتی ہوں

جب وہ خاموش رہنے لگتا ہے
میں اسے بولتا سمجھتی ہوں

■ ■ ■

دل کے ہر زخم کو بھرنے کے لیے
وقت کو وقت تو دینا ہوگا

■ ■ ■

■

ہستی پہ اپنی زیست نے ڈالا نقابِ غم
پھر خونِ دل سے ہم نے رقم کی کتابِ غم

ہر ساعتِ گداز محبت کے باوجود
رکھنے لگے ہیں لوگ یہاں پر حسابِ غم

اس اضطرابِ دل کے ہوئے بام و در گواہ
جب بزمِ جاں میں چھیڑ گئے وہ ربابِ غم

ہر سو فضا میں گونج رہا تھا فغاں کا شور
آنسو خوشی کے چھلکے سنا جب خطابِ غم

لب پر لگائی چپ کی مہر آنکھ نم رکھی
گردن جھکا کے پیش کیا ہے نصابِ غم

جو بے نیاز درد رہے عیش میں رہے
حساس جان و دل پہ ہی آیا عتابِ غم

■ ■ ■

اسے میں زیست کا حاصل کہوں کہ لاحاصل
اسے تو ڈھونڈ لیا ہے، گنوادیا خود کو

■ ■ ■

■

میں سپنوں کا بچھونا چاہتی ہوں
سکوں کی نیند سونا چاہتی ہوں

ہمیشہ سے رہا جو ساتھ میرے
وہ سارا درد کھونا چاہتی ہوں

انا اشکوں کا راستہ روکتی ہے
مگر میں کھل کے رونا چاہتی ہوں

کسی شانے کی حاجت اب نہیں ہے
میں اپنا بوجھ ڈھونا چاہتی ہوں

اسے گھائل کریں شاید یہ آنسو
ذرا تکیہ بھگونا چاہتی ہوں

جو مثلِ دل نہیں ٹوٹے کسی سے
میں اک ایسا کھلونا چاہتی ہوں

عجب سی ہے دلِ مضطر کی خواہش
نہیں میں جو وہ ہونا چاہتی ہوں

زمینِ دل ہوئی بنجر یہ رضیہ
خوشی کا بیج بونا چاہتی ہوں

■ ■ ■

■

تیرہ شب روشنی سے ہیں گھائل
غمزدہ بھی خوشی سے ہیں گھائل

شور ہے دور کچھ صداؤں کا
ذہن و دل خامشی سے ہیں گھائل

دل کی دھڑکن کی تال اور سرگم
ساز اور راگنی سے ہیں گھائل

ہم کہ رم جھم برستی بوندوں میں
بن کی اک مورنی سے ہیں گھائل

دل جلے اس حسین موسم میں
رنگ اور روشنی سے ہیں گھائل

پیاسی گنگا اداس یہ جمنا
کس قدر زندگی سے ہیں گھائل

کتنی شرمندگی ہے بندوں کو
کہ تری بندگی سے ہیں گھائل

■ ■ ■

عجیب آنکھ مچولی سی زندگی میں رہی
جو اس کو ڈھونڈنے نکلے گنوادیا خود کو

■ ■ ■

■

جب تک تو رہگزارِ وفا میں ملا نہ تھا
کیا ہے یہ بیوفائی مجھے کچھ پتہ نہ تھا

میں زندگی کے نام پہ جیتی گئی
جینے کا یوں تو کوئی ارادہ ذرا نہ تھا

کچھ اس لئے بھی ہر خوشی ٹھوکر سے ماردی
دنیا تو مل گئی تھی مجھے تو ملا نہ تھا

میں بے زباں نہیں تھی مگر یوں خموش تھی
ہونٹوں پہ میرے جیسے کوئی مدعا نہ تھا

الجھتے بھی کس طرح مرے ٹھٹکے ہوئے قدم
منزل تو سامنے تھی مگر راستہ نہ تھا

■ ■ ■

آج ان سے مکالمے کے بعد
خود کلامی کا ہرجواز گیا
کیسے گزرا ہے شب ہجر کا اک اک لمحہ
اس نے پوچھا بھی نہیں ہم نے بتایا بھی نہیں

■ ■ ■

■

جس در پہ میں بیٹھی تھی بڑی آس لگائے
پوچھا ہے اسی در نے کہ وہ کیوں نہیں آئے

دنیا یہ مداری کا تماشہ نہیں جس میں
اک کھیل دکھا کر کسی روتے کو ہنسائے

شبِ زاد مسافر ہوں اندھیرا مری منزل
دل ہے کہ اجالوں کے تعاقب میں بھگائے

ہوتی ہے تو ہو جائے ہوا کتنی بھی شہ زور
دم خاک میں کب ہے کہ مری خاک اڑائے

وہ موسمِ باراں کہ ہو فصلِ بہاراں
بن اس کے مجھے کوئی بھی موسم نہیں بھائے

پتھر تھا وہ پتھر ہی رہے گا دمِ آخر
بے سود ہی آنکھوں نے مری اشک بہائے

دل کھول کر ہنستے ہوئے دیدی ہے اجازت
اک بار نہیں وہ مجھے سو بار رلائے

■ ■ ■

جب کسی اور کو وہاں دیکھا
میں تیرے خواب سے نکل آئی

■ ■ ■

■

کیوں مجھے آئینہ دکھلایا گیا
مجھ کو میرے سامنے لایا گیا

دولت دل ہی ہمارے پاس تھی
دل گیا تو سارا سرمایہ گیا

جیسے میں کھوئی ہوئی اک چیز تھی
یوں مجھے دریافت فرمایا گیا

چپ ہوئی جب میں تو افسانہ بنی
میرے ہر قصے کو دہرایا گیا

آنے والے کل کا وعدہ کر گیا
یوں مجھے ہر روز بہلایا گیا

کیا کہوں گزری سرِ دیوار کیا
دھوپ کے جاتے ہی جب سایہ گیا

دوستوں کی دوستی پر شک ہوا
مجھ سے بڑھ کر جب مجھے چاہا گیا

■ ■ ■

سنا ہے ہر جگہ موجود تم ہو
مجھے پھر کیوں تمہاری جستجو ہے

■ ■ ■

■

اب تک کسی بھی خواب کو پورا نہیں کیا
تم نے ہمارے ساتھ یہ اچھا نہیں کیا

وعدے تو ہر کسی نے کیے ہر کسی کے ساتھ
وعدہ مگر کسی نے بھی پورا نہیں کیا

ایسی ہی اک مسافرِ ناکام میں بھی ہوں
طے جس نے اپنے گھر کا بھی رستہ نہیں کیا

اک ہم کہ اس زمانے میں کچھ بھی نہ کر سکے
کہنے کو اس زمانے نے کیا کیا نہیں کیا

میری صدائیں بن گئیں میری خموشیاں
محشر سے پہلے حشر تو برپا نہیں کیا

دنیائے بدگمان کو کتنی بھلی لگی
وہ بات جس پہ میں نے بھروسہ نہیں کیا

یہ اور بات لوگ تماشائی بن گئے
ہم نے کبھی بھی خود کو تماشہ نہیں کیا

ہر آسمان زمیں پر جھکاتی رہی ہوں میں
کب میں نے اپنی خاک پہ سجدہ نہیں کیا

■■■

کبھی ہے تپتی ہوئی دھوپ اور کبھی سایا
ہمارا ان سے تعلق بھی موسموں جیسا

■■■

■

جس ہے پھر بھی کھڑکیاں ہیں بند
شاید اس گھر میں بیٹیاں ہیں بند

ہاتھ ان سے ملائیں گے کیسے
جن کے ہاتھوں کی مٹھیاں ہیں بند

ایسا زنداں ہے یہ فصلِ انا
اس میں ہم سب کی سسکیاں ہیں بند

سانحہ سے گزر رہی ہے صدا
سننے والوں کی نالیاں ہیں بند

مجھ سے مت چھین میری تنہائی
اس میں خوابوں کی وادیاں ہیں بند

میرے ارماں جھلس نہ جائے کہیں
خانۂ دل میں بجلیاں ہیں بند

دیکھ بھولی ہوئی کتابوں میں
ان میں کچھ زندہ ہستیاں ہیں بند

چاہتیں ہیں سہیلیاں میری
مجھ میں میری سہیلیاں ہیں بند

کوئی صورت نہیں رہائی کی
قربتوں میں بھی دوریاں ہیں بند

میرا دل بھی عجب سمندر ہے
اس میں چاہت کی سیپیاں ہیں بند

اک معمہ ہے زندگی رضیہ
جس میں ہر سو پہیلیاں ہیں بند

■ ■ ■

■

پاؤں میں زحمتِ سفر باندھ لیا ہے میں نے
دل کو بیگانۂ صد شوق کیا ہے میں نے

یہ تو آمادہ رہا عشق پہ چلنے کو مگر
دل کو کچھ سوچ کے خود روک دیا ہے میں نے

مسترد کر کے ہمیشہ سے غمِ دنیا کو!
زیست کو جینے کا انداز دیا ہے میں نے

یوں تو جینے کے لیے آسرا خواہش نہ طلب
یہ مگر سچ ہے کہ جی بھر کے جیا ہے میں نے

میرے زخموں کا بھلا تم سے مداوا کیا ہو
چارہ گر تیرا ہر اک زخم سہا ہے میں نے

وہ جسے کہتے ہیں سب جام محبت رضیہ
ان لبوں سے نہیں آنکھوں سے پیا ہے میں نے

■ ■ ■

اس قدر خاموشی نہیں اچھی
آؤ موسم پہ گفتگو کر لیں

■ ■ ■

■

نکل کر زندگی سے میں تمہارے خواب میں اتری
سراپا دردِ دل بن کر دلِ بیتاب میں اتری

کہانی میری دنیا کے ہر اک گوشے میں پھیلی جب
میں عنوانِ وفا بن کر تمہارے باب میں اتری

اچانک چلتے چلتے جب حسیں اک موڑ آ پہنچا
جدا ہو کر میں تم سے قصۂ نایاب میں اتری

کمالِ فن سے دامن اپنا کانٹوں سے چھڑایا پھر
میں خوشبو کے گلشن میں گلِ شاداب میں اتری

میرے آنسو گرے جیسے ہی صحرائے محبت میں
میں بن کر اک سمندر گریۂ بے آب میں اتری

اٹھاتی اک قدم تو دوسرا دھنستا چلا جاتا
نکل کر ایک دلدل سے نئے گرداب میں اتری

بنا کر جسم کو ایندھن پھر میں پھر اک روشنی بن کر
کہیں پہ نیلگوں پانی کہیں مہتاب میں اتری

■ ■ ■

خمیر گوندھا گیا ماتا سے عورت کا
سو جس کی گود ہے خالی اسے بھی ماں سمجھو

■ ■ ■

■

بن کے دریا ہیں سمندر میں اترنے والے
ہم بچھڑ کر بھی نہیں تم سے بچھڑنے والے

یہ حقیقت ہے بڑی تلخ حقیقت لوگو
دل سے بھی اترے ہیں نظروں سے اترنے والے

پھول جب تک رہے شاخوں پہ سرافراز رہے
پاؤں میں کچلے گئے شاخوں سے گرنے والے

خود ہوا کو نہ ملے نام ونشاں تک ان کا
یوں ہواؤں میں بکھرتے ہیں بکھرنے والے

خوفِ رسوائی نے محتاط کیا ہے ورنہ
کب کسی حد میں رہے حد سے گزرنے والے

کیوں ڈراتے ہو جہنم سے ہمیں اے واعظ
ہم غلامانِ نبی ہیں نہیں ڈرنے والے

ہم نے سیکھا ہے ہنرمندوں سے جینا رضیہ
ہم کبھی موت کے ہاتھوں نہیں مرنے والے

■ ■ ■

یہ کہاں ضروری ہے ہر چراغ ہو روشن
اک دیئے کا جلنا بھی موت ہے اندھیرے کی

■ ■ ■

■

جب ہم مقامِ وہم وگماں سے گزر گئے
سمجھو کہ ہر خیالِ نہاں سے گزر گئے

جب بھی بلندیوں کو تخیل نے چھولیا
ہم تو ہر ایک کون ومکاں سے گزر گئے

دکھ درد داغِ ہجر کے ہم جھیل کر تمام
کیا ہے کہ آج ارض وسماں سے گزر گئے

قرطاس پر سیاہی کا سیلاب بہہ گیا
جب حرف یہ زبان وبیاں سے گزر گئے

ہے یہ کمالِ عشق یہی آتشِ طلب
کوئی گزر سکا نہ جہاں سے گزر گئے

تجھ کو گزار دینے کی چاہت میں زندگی
اک روز یہ ہوا کہ جہاں سے گزر گئے

■ ■ ■

سکوتِ حسن فطرت کی صدا ہے
خموشی ہی ازل سے گفتگو ہے

■ ■ ■

■

نہ جانے کیسا زمانہ دکھائی دینے لگا
جو انجمن تھا وہ تنہا دکھائی دینے لگا

یہ کون آنکھ میں میری ٹھہر گیا آ کر
کہ جس کو دیکھا نہیں تھا دکھائی دینے لگا

میری نظر سے گری کیا قریب کی دیوار
کہ دور تک مجھے رستہ دکھائی دینے لگا

کسی کو سامنے پا کر بھی میں نہ دیکھ سکی
کوئی مجھے پسِ پردہ دکھائی دینے لگا

شور میرا نہیں تھا میری انا کا تھا
مجھے جو مجھ میں ہی برپا دکھائی دینے لگا

نظر نے عشق کی تصویر کیا دکھائی مجھے
جو غیر تھا مجھے اپنا دکھائی دینے لگا

یہ زندگی مجھے اچھی دکھائی دی رضیہؔ
کسی کا ساتھ جب اچھا دکھائی دینے لگا

■ ■ ■

عدو کی بزم میں انجان اس لیے بھی رہی
ادھر ادھر کی نہیں بات اپنے گھر کی تھی

■ ■ ■

■

وہ ایک شخص جو تم ہو وہ تم نہیں ہوئے تو
اور ایک ہم کہ جو ہم ہیں وہ ہم نہیں ہوئے تو

بجھے گی پیاس لہو سے نہیں تو اشکوں سے
ہمارے پاس اگر جام و جم نہیں ہوئے تو

کرن افق پہ محبت کی کیسے ابھرے گی!
وہ ساتھ رہتے ہوئے ہم قدم نہیں ہوئے تو

یہ فرشِ آس پہ آنکھیں ہیں دیکھ لو آ کر
یقین و وہم و گماں میں جو ضم نہیں ہوئے تو

Razia
ubhan\Fin

ہم اپنے سر کے لیے سنگ تو اٹھا لائے
پہ کیا کریں گے جو دل میں صنم نہیں ہوئے تو

حدیثِ جاں کے بھی عنواں بکھرنے لگتے ہیں
جو مہر و ماہ کے قصے رقم نہیں ہوئے تو

کہاں ہے وقعت و قیمت جنون و وحشت کی
جو کوئے یار پہ یہ سر قلم نہیں ہوئے تو

شبِ فراق کہاں دردِ دل کا سوز کہاں
جو ہم میں شامِ غریباں کے غم نہیں ہوئے تو

■ ■ ■

وہ آنکھ دیکھتی ہے مگر دیکھتی نہیں
جو آنکھ یادِ رب میں نہ آنسو بہا سکے

■ ■ ■

■

بے سبب ہم نہیں اس قدر مطمئن
مطمئن ہیں تمہیں دیکھ کر مطمئن

رقص کرتے ہوئے اپنے محور پہ سب
یہ ستارے یہ شمس و قمر مطمئن

آفتِ ناگہانی سے گزرے مگر
پھول پتے یہ شاخِ شجر مطمئن

جانے کس مصلحت کے تحت ہوگئے
پرسکوں راہزن، راہبر مطمئن

جب سے اندھے ہوئے شہر کے آئینے
اور بھی ہوگئے دیدہ ور مطمئن

روح کو جونہی وجدان حاصل ہوا
ہوگیا جسم وجاں کا کھنڈر مطمئن

اس طرح سے بھی رضیہ بسر ہو کبھی
مطمئن تم ادھر ہم ادھر مطمئن

■ ■ ■

چاند کو روشنی عطا کر کے
روز مرتا ہے رات کو سورج

■ ■ ■

■

خود کو ہم اس کے ہو بہو کرلیں
اور اس میں کو آج تو کرلیں

اس کو الزام سے بری کر کے
خود کو ہم خود کے روبرو کرلیں

بھیڑ میں گم جو ہوگیا اس کی
اپنے اندر ہی جستجو کرلیں

آج پانی دستیاب نہیں
اپنے اشکوں سے ہی وضو کرلیں

جسم خاکی ہے زرد پیراہن
اپنے باطن میں ہاؤ ہو کرلیں

مثلِ آئینہ دل کی ہو تفسیر
زندگی عکسِ رنگ و بو کرلیں

اس قدر خامشی نہیں اچھی
آؤ موسم پہ گفتگو کرلیں

■ ■ ■

جس کو ہیرا سمجھ رہی تھی میں
وہ تو اک آئینہ سا پتھر تھا

■ ■ ■

■

آپ اپنے لیے مثال ہوا
بے خیالی میں جو خیال ہوا

جانے کیسی وہ ضرب کاری تھی
رشتۂ دل نہ پھر بحال ہوا

مجھ کو سونپا گیا جو مٹی میں
میرا مٹنا بھی لازوال ہوا

کرچیاں کرچیاں ہوا تو کیا
دل مگر آئینہ مثال ہوا

جانے کیسی مزاج پرسی کی
کہ سنبھلنا مرا محال ہوا

وہ نظر جب اٹھی مری جانب
پوچھیے مت جو دل کا حال ہوا

خامشی ہی رہی دمِ رخصت
صرف آنکھوں کا رنگ لال ہوا

مجھ کو پاتال سے گھسیٹ لیا
یہ ہنر جب مرا کمال ہوا

■ ■ ■

سماعتوں سے زیادہ نظر نواز ہوئی
غزل کے ساتھ غزل بن کے جو غزل آئی

■ ■ ■

■

رسہ کشی میں سانس کی، جھگڑا ہوا تمام
برسوں کا ایک پل میں ہی قصہ ہوا تمام

اپنے زوالِ عشق کے اس سانحے کے بعد
مت پوچھیے کہ اور بھی کیا کیا ہوا تمام

راہِ طلب میں اپنے یہ بہکے ہوئے قدم
اٹھنے ابھی نہ پائے تھے رستہ ہوا تمام

بے ساختہ اٹھی جو نظر سوئے دوستاں
اک حشر میری ذات میں برپا ہوا تمام

Razia
ubhan\Fin

محروم میری آنکھیں ہوئیں آنسوؤں سے آج
اک اک پور جسم کا صحرا ہوا تمام

■ ■ ■

مجھ کو مدفون کرنے والوں کو
یہ خبر کب ہے ایک بیج ہوں میں

■ ■ ■

بات تو جب ہے نئے سال اگر
روز سورج میرے اندر چمکے

■ ■ ■

■

بے کلی، ہجر، تھکن، رات چلو رہنے دو
تم نہ سمجھو گے میری بات چلو رہنے دو

یاس وحسرت، غم واندوہ، پریشاں حالی
پاس اپنے یہی سوغات چلو رہنے دو

خود سے بیگانہ ہوئی تم سے بھی انجان ہوئی
یوں بھی ہوتیں ہیں کرامات چلو رہنے دو

جانے کیوں ضعفِ تکلم میں گرفتار ہوئی
تم سے کرنی تھی کوئی بات چلو رہنے دو

■ ■ ■

Razia
ubhan\Fin

■

رواں ہر دم رواں اب کے بہاراں
ہے مثلِ کارواں اب کے بہاراں

شجر مینارِ خوں، گل خون دیدہ
عجب ماتمِ کناں اب کے بہاراں

لب و دل کی گواہی رائیگانی
ہے کچھ کچھ بدگماں اب کے بہاراں

خزاں کے زرد پتے سرخ سارے
نہال و شادماں اب کے بہاراں

ہوئی ہے جنبشِ شاخِ شجر سے
سراپا داستاں اب کے بہاراں

کہاں لے آئی ہے بربادیِ جاں
کہ سر تاپاں فغاں اب کے بہاراں

بتاتی ہے کسی کے راز دل کا
گلوں کو رازداں اب کے بہاراں

■ ■ ■

جب بھی پایا ہے سرِ شام اکیلا مجھ کو
پوچھنے تیرا میرا پتہ مجھ سے تری یاد آئی

■ ■ ■

جس روز یقیں آئے گا مر جائیں گے اس دن
رہنے دو محبت کو یونہی وہم و گماں تک

■ ■ ■

Razia

■

حُسن آفتاب سا فلک پہ جگمگا گیا
جو نیم شب مزار پر دیا کوئی جلا گیا

وصال وہجر کا معاملہ نہ درمیاں رہا
جو نور بن کے ذات میں کوئی مری سما گیا

جو بال کھولے ڈھونڈنے تمہیں چلی یہ شامِ غم
مری شبِ فراق کو عجب قرار آ گیا

جنوں کی سرحدوں کو چھو کے آ گئی تو یہ کھلا
خرد کے پارساؤں کو مرا جنون بھا گیا

کہیں پہ جل کے بجھ گئی کہیں پہ بجھ کے جل گئی
لگی ہے دل کی یہ کوئی بجھا گیا جلا گیا

پلا گئی مئے وفا جو اس کی نیم وا نظر
مرے وجودِ خاک پر خمارِ عشق چھا گیا

یہ اور بات ہو سکی مصالحت نہ آپ سے
مگر وہ برہمی بھی کیا کہ جس پہ پیار آ گیا

■ ■ ■

کیا خوب ہے اجل کہ جہاں سامنا ہوا
مفہوم زندگی کا بتا کر چلی گئی

■ ■ ■

■

نیا اک اور وعدہ کر گیا ہے
مجھے زندہ دوبارہ کر گیا ہے

اچانک پوچھ کر احوال میرا
وہ میرے غم کو آدھا کرگیا ہے

مٹا کر زندگی کے رنگ سارے
یہ کاغذ دل کا سادہ کر گیا ہے

بھلا کر شکوۂ فردا کو یکسر
محبت کو لبادہ کر گیا ہے

نیا انداز لے کر دوستی کا
پرانا زخم تازہ کر گیا ہے

محبت سر پہ چڑھ کر بولتی ہے
یوں وقفِ جام وبادہ کر گیا ہے

بنا کر بادشاہِ وقت خود کو
مجھے بس ایک پیادہ کر گیا ہے

وہی ہے سرخرو رضیہ جہاں میں
جو غم سے استفادہ کرگیا ہے

■ ■ ■

تھی رات،موجِ آب،ہوا،چاند،چاندنی
ہم دستکِ خیال سے گھبرا کے سو گئے

■ ■ ■

■

تم جو نزدیک آچکے ہوتے
غم بہت دور جا چکے ہوتے

جو ذرا فرصتِ نظر ملتی
دل کے سب راز پاچکے ہوتے

خود فریبی میں مبتلا ہوکر
اپنی دنیا بسا چکے ہوتے

دل کی قندیل جو جلا دیتے
ہر دیئے کو بجھا چکے ہوتے

تم جو محشر میں ملنے آجاتے
ہم قیامت اٹھا چکے ہوتے

تم نہ کرتے اگر مسیحائی
ہم تو دنیا سے جاچکے ہوتے

■ ■ ■

مجھ کو جب سے نظر میں رکھا ہے
سب کی نظروں میں آگئے ہو تم

■ ■ ■

Razia

■

جو اپنا ہاتھ مرے ہاتھ میں دیا ہوتا
تو زادِ راہ میں یہ غم نہیں ملا ہوتا

کسی بھی تنگ گلی سے گزر کے آجاتے
ہمیں جو آپ سے ملنے کا آسرا ہوتا

وہ دیکھتا مرے سینے پہ درد کے تمغے
اگر نمود ونمائش کا سلسلہ ہوتا

بلا سبب ہی ہمیں خود پہ ناز ہے رضیہ
جو ہیں تو کیا جو نہ ہوتے اگر تو کیا ہوتا

■ ■ ■

■

یہ زندگی ہے کڑا امتحاں بتاتا تھا
ہے کارِ زیست بھی کارِ زیاں بتاتا تھا

سلگتی دھوپ میں بے وجہ عمر بھر ہی جلی
نہیں کہیں بھی کوئی سائباں بتاتا تھا

نہ جانے زعم میں کس چیز کے مگن میں رہی
نہ یہ زمیں نہ مرا آسماں بتاتا تھا

تمام عمر کی سب کوششیں ہیں لا حاصل
رہے گا کوئی نہ نام ونشاں بتاتا تھا

Razia

بھنور کے بیچ جو کشتی یہ میری ڈوبی ہے
ہوا کے رخ پہ نہ تھا بادباں بتاتا تھا

کسی طرح سے میں اس بھیڑ سے نکل جاتی
وہ ایک شخص ہی تھا کارواں بتاتا تھا

لگی تھی آگ جو دل میں تو آنکھ بھی چھلکی
کہ بے سبب نہیں اٹھتا دھواں بتاتا تھا

■■■

نکل آئی ہوں سب کی دسترس سے
نظر کے سامنے ہوں گمشدہ ہوں

■■■

■

شہر وفا میں اتنی گرانی کے باوجود
زندہ ہے عشق اشک فشانی کے باوجود

تیرے خمیر سے مری مٹی اٹھائی ہے
پہنچی وہیں پہ نقل مکانی کے باوجود

لوح جہاں پہ حرفِ مکرر نہ ہو سکی
کردار بن سکی نہ کہانی کے باوجود

فقدان آگہی کا بشر میں ہے اس قدر
گمراہ ہوگئے ہیں نشانی کے باوجود

سورج کی روشنی کی طرح پھیلتی رہی
مہکی ہوں شب میں رات کی رانی کے باوجود

اپنے مزاجِ عشق کا ہے صوفیانہ رنگ
خلوت ہی راس آئی جوانی کے باوجود

■■■

میں نے چاہا نہیں امر ہونا
ورنہ قسمت تھی میری مٹھی میں

■■■

■

حصار کھینچ کے ان سوگوار آنکھوں میں
بسا لیا ہے تمہیں اشکبار آنکھوں میں

مقامِ ضبط سے آگے نکل ہی آئے ہیں
اتر ہی آیا ہے دل کا غبار آنکھوں میں

متاعِ عشق مرے پاس اور کچھ بھی نہیں
بچھا ہوا ہے ترا انتظار آنکھوں میں

نہ دید کی ہے تمنا نہ وصل کی چاہت
چھپائی رکھی ہے تصویرِ یار آنکھوں میں

Razia
ubhan\Fin

نشہ جو سر پہ چڑھا ہے تمہاری الفت کا
کوئی نہ دیکھ لے اس کا خمار آنکھوں میں

یہ ڈر ہے توڑ نہ دیں آج ضبط کا بندھن
رکی ہوئی ہے جو اک آبشار آنکھوں میں

چھپا رکھا تھا جسے میں نے اس زمانے میں
وہ بن گیا ہے نیا اشتہار آنکھوں میں

■ ■ ■

پریشاں صبح تنہا شام ویراں شب شکستہ دل
وہی دن ہیں وہی راتیں نیا کچھ بھی یہاں کیا ہے

■ ■ ■

■

بہت ہی خامشی سے گفتگو کی
کبھی جو زندگی سے گفتگو کی

اندھیرے خود ہی جل کر بجھ گئے ہیں
کبھی جو روشنی سے گفتگو کی

ضرورت کب رہی اشکوں کی ہم کو
جو اشکوں کی نمی سے گفتگو کی

نظر سے دور کر کے ہر خوشی کو
بس اپنی بے بسی سے گفتگو کی

حقیقت اپنی ہم پر کھل گئی ہے
کبھی جو آگہی سے گفتگو کی

کئی مفہوم وا ہونے لگے ہیں
جو ہم نے سادگی سے گفتگو کی

سنبھلنے پھر کہاں پائی طبیعت
جو تم نے برہمی سے گفتگو کی

جہاں شیطاں نما انسان پائے
وہیں پر بے دلی سے گفتگو کی

■ ■ ■

مری خموشی ہی مجھ سے سوال کرتی ہے
کہ ایسا شور خلاؤں میں کب سنا ہوگا

■ ■ ■

■

وہ کیسا اجنبی تھا جو سدا اک بات کہتا تھا
مجھے تم سے محبت ہے یہی دن رات کہتا تھا

جدائی کی گھڑی میں بے بسی سے دیکھ کر مجھ کو
کہاں لے کر چلی ہو تم مری سوغات کہتا تھا

میں دانستہ جھٹک کر ہاتھ اس کا جب پلٹ جاتی
سمجھ پاؤ گی آخر کب مرے جذبات کہتا تھا

مجھے مصروف پاتا تھا کسی محفل میں وہ جب بھی
نہ بھولوں گا تمہاری ان کہی خدمات کہتا تھا

کبھی جو کھونا چاہتا تھا حسیں سپنوں کی وادی میں
مری آنکھوں پہ تم رکھ دو بس اپنا ہاتھ کہتا تھا

حیا دنیا سے رخصت ہے تمہارا حسن سادہ ہے
خدارا سب سے تم رہنا بہت محتاط کہتا تھا

یہ دنیا ہو کہ وہ دنیا سفر در پیش ہو جب بھی
میرے ہاتھوں میں ہردم ہو تمہارا ہاتھ کہتا تھا

■ ■ ■

کچھ ایسے ہی تو نہیں پھول و پھل شجر کو ملے
خزاں کو جھیل چکا ہے تو پھر یہ سبز ہوا

■ ■ ■

■

وفا کی دوڑ میں سودوزیاں نے ماردیا
مجھے تو خواہشِ اک دوستاں نے مار دیا

میں اس سبب سے پناہوں میں دشمنوں کے رہی
صحن کے پیڑ گھنے سائباں نے مار دیا

جو بچ کے جاتی بھی ان سے تو میں کہاں جاتی
تری زمیں نے ترے آسماں نے مار دیا

یہ حوصلہ تھا کہاں وقت کا کہ زیر کرے
مجھے تو عشق کے اک امتحاں نے مار دیا

Razia

فصیلِ شہر میں سورج نے آگ بھڑکائی
مدارِ شب میں مہ وکہکشاں نے مار دیا

ہے یہ بھی جھوٹ کہ کھائی ہے دشمنوں سے شکست
مگر یہ سچ ہے غمِ دوستاں نے مار دیا

ارے کوئی تو مجھے آکے اب تسلی دے
کہ آج مجھ کو مرے نوحہ خواں نے مار دیا

تلاشِ حق کا وہ جادہ کہ جس میں شامل تھی
اسی سفر نے اسی کارواں نے مار دیا

■ ■ ■

اندھیروں کو مسلسل دیکھنے سے
اچانک روشنی در آئی دل میں

■ ■ ■

■

فریب ذات کا منظر مجھے بلاتا ہے
دکھا کے روز نیا در مجھے بلاتا ہے

میں اپنے آپ سے جتنا بھی فاصلہ رکھوں
پھر اپنا آپ ہی اندر مجھے بلاتا ہے

میں شورِ ذات پہ جب تلملانے لگتی ہوں
تو خامشی کا سمندر مجھے بلاتا ہے

جسے ملال نہیں قافلوں کے لٹنے کا
ستم تو یہ ہے وہ رہبر مجھے بلاتا ہے

تھا اک مکان وراثت مرے بزرگوں کی
کھنڈر ہے آج مگر وہ مجھے بلاتا ہے

ہوئی میں کشمکش ذات کی سفیر یہاں
جو خیر کا ہو ارادہ تو شر بلاتا ہے

بھگو دیں رات کے آنچل کو جب تری یادیں
تو چاند بام پہ اکثر مجھے بلاتا ہے

میں جس کے در پہ بچھا آئی کرچیاں دل کی
وہ سنگدل وہی پتھر مجھے بلاتا ہے

عجب مذاق کیا وقت کے پرندے نے
کٹا کے اپنے سبھی پر مجھے بلاتا ہے

■ ■ ■

روشنی ہو تو مری ذات سے کٹ جاتا ہے
راس آیا نہ کبھی میرا ہی سایا مجھ کو

■ ■ ■

■

خود کچھ نہیں لیکن ترے ہونے کا سبب ہوں
میں خاک بسر ہو کے بھی افلاک طلب ہوں

اس قلزمِ ہستی کا فسوں کتنا عجب ہے
موجود بھی ہوتے ہوئے موجود بھی کب ہوں

جس موڑ پہ مل جاتے ہیں اک لمحے کو دونوں
یہ شام و سحر کا میں وہی وقت عجب ہوں

زنداں میں ہوں زنجیر کی ہر تال پہ رقصاں
برپا ہے جو ویرانی میں وہ شامِ طرب ہوں

جو آج حقیقت ہے حقیقت تو نہیں ہے
افسانہ جو کل تھا میں وہی آج ہوں اب ہوں

ہے ظاہری دنیاوی ملمع مرا رضیہؔ
باطل میں چھپا ہے جو وہی عالی نسب ہوں

■ ■ ■

وہ صدا جس میں کوئی لفظ نہیں
تم اگر سن سکو تو اس کو سنو

■ ■ ■

■

خوشبوؤں کی زبان بولتے ہیں
ہم محبت کو آن بولتے ہیں

تم جنہیں بے زباں سمجھتے ہو
وہ بھی اپنی زبان بولتے ہیں

پتیاں انتہا کی ہیں جن کو
لوگ اونچی اڑان بولتے ہیں

جب فریقین ہیں سبھی راضی
کیوں وہاں خاندان بولتے ہیں

Razia

کیسی وحشت برسنے لگتی ہے
جب بھی خالی مکان بولتے ہیں

یہ زمیں چپ ہے کس لیے بولو
کیا یہاں آسماں بولتے ہیں

مشک وعنبر سے ہم مہکتے ہیں
جب بھی اردو زباں بولتے ہیں

■ ■ ■

کاش میرے روبرو دنیا کہے
کیسا زندہ شعر ہے گمنام کا

■ ■ ■

■

نقش در نقش دلنشیں حیرت
عکس در عکس اک حسیں حیرت

زندگی کیا فقط تماشا ہے
اور اجل کیا ہے دلنشیں حیرت

جال وہم وگماں کے بچھنے لگے
دام میں آئے جب کہیں حیرت

وہ جنہیں اعتبارِ عشق نہیں
ہم پہ ان کو ہوا یقیں، حیرت

میری آنکھیں تو غم کا مسکن ہیں
ان کی آنکھوں میں ہے مکیں حیرت

آئینہ دیکھ کر یہ حیرت ہے
آئینے میں بھی اب نہیں حیرت

حسن کے ہیں جہاں جہاں جلوے
عشق کو بھی وہیں وہیں حیرت

■ ■ ■

مہرے بساطِ دل پہ محبت کے رکھ دیئے
تم چاہے کوئی چال چلو جیت تو مری

■ ■ ■

تلاش

وہ شہر، وہ قریہ، وہ نگر ڈھونڈ رہی ہوں
وہ شام، وہ شب اور وہ سحر ڈھونڈ رہی ہوں

تاروں سے بھرا عرش، قمر آنکھ سے اوجھل
بس ایک نظر مثلِ شرر ڈھونڈ رہی ہوں

وہ شام، وہ گوشہ، وہ حسیں ساعتِ الفت
اک عمر سے وہ راہگذر ڈھونڈ رہی ہوں

بے ساختہ اٹھ جائے نظر جو مری جانب
ہوجائے جو پھر اشکوں سے تر ڈھونڈ رہی ہوں

Razia
ubhan\Fin

بے وجہ بھٹکتی ہوں تری آس میں اکثر
ملتا ہے سکوں جس میں وہ گھر ڈھونڈ رہی ہوں

انفاس میں اک حشر ہے، محشر کا سماں ہے
جس جا ہو دعاؤں میں اثر ڈھونڈ رہی ہوں

بچپن میں جہاں نام تھا ہم دونوں نے لکھا
جنگل میں وہی ایک شجر ڈھونڈ رہی ہوں

■ ■ ■

ہنگامۂ نشاط میں تھا اس بلا کا شور
تنہائی میری چیخ کے خاموش ہوگئی

■ ■ ■

■

مری اڑان مرے پر جلا نہ دے یارب
فلک سے مجھ کو زمیں پر گرا نہ دے یارب

میں جاگنے کی تمنا جو روز کرتی ہوں
یہ آرزو مجھے اک دن سلا نہ دے یارب

سکونِ روح و دل و جان کا سبب جو بنی
وہ یاد خون کے آنسو رلا نہ دے یارب

یونہی جو چال زمانہ خلاف چلتا رہا
بساطِ جان کے مہرے گرا نہ دے یارب

Razia
ubhan\Fin

یقیں کے ساتھ قیامت کی منتظر ہوں مگر
کہیں یہ دل ہی قیامت اٹھا نہ دے یارب

یہ آرزو ہے ہواؤں کی ہمرہی میں رہوں
یہ چاہِ خاک میں مجھ کو ملا نہ دے یارب

■ ■ ■

یہ معجزہ بھی محبت میں کم نہیں صاحب
کہا جو اس نے نہیں وہ سنائی دیتا ہے

■ ■ ■

■

اک بھرم تھا جو کسی پر وہ بھرم ٹوٹ گیا
کیسا رہبر تھا سرِ راہ سبھی لوٹ گیا

جب محبت میں ہوا سود وزیاں کا جھگڑا
کیا کہوں کیسے مرا تاج محل ٹوٹ گیا

کیا عجب جو ہوئی تنہائی مقدر میرا
زندگی تجھ کو منانے کا ہنر روٹھ گیا

وائے قسمت کہ مرے سامنے منزل تھی مگر
آبلہ پاؤں میں آیا ہی نہ تھا چھوٹ گیا

حسنِ فطرت کے نظاروں سے مزین اک گھر
چن لیا میں نے تو پھر اس کا مکاں چھوٹ گیا

پڑھ سکو تم جو کبھی تو مری تحریر پڑھو
انگلیاں چلتی رہیں اور قلم ٹوٹ گیا

■ ■ ■

وہ مسافر نواز ایسا ہے
جتنا ممکن ہو سب کے ساتھ چلے

■ ■ ■

■

رنج و غم درد کے ملال کے سانپ
حملہ زن ہر سو اختلال کے سانپ

زہر پھیلا ہے میری نس نس میں
ڈس گئے جب ترے خیال کے سانپ

جراُتِ دل کو راہ کیا ملتی
ہر قدم پر ملے وبال کے سانپ

زخمِ دل کا کہاں تدارک ہو
آستیں میں چھپے ملال کے سانپ

اس سے انسانیت بھی روٹھ گئی
جس نے پالے ہیں اشتعال کے سانپ

اب ہوئی فکر عرصۂ دنیا
جانے کتنے ہیں ماہ و سال کے سانپ

کچھ زبانوں سے لپٹے رہتے ہیں
ہر گھڑی تلخ ارتجال کے سانپ

بیش قیمت ہوئے مرے اشعار
لفظ میں گھل گئے کمال کے سانپ

ہم نے پالے نہیں کبھی رضیہؔ
ذہن میں اپنے اقتتال کے سانپ

■■■

جب حرمتِ رسول بیانِ نفس ہوا
اس دم مری نماز کا سجدہ ادا ہوا

■■■

■

ایک سچ کو سراب کیا کرنا
زندگی کو عذاب کیا کرنا

حسن سے جب نہیں گریز کوئی
عشق سے اجتناب کیا کرنا

وصل کی خواہشوں کو دفنا کر
ہجر کو ہمرکاب کیا کرنا

روح جب بے نقاب ہوجائے
جسم کا پھر حجاب کیا کرنا

خار زاروں کے درمیاں رہ کر
خود کو مثلِ گلاب کیا کرنا

مقصدِ خود نمائی ہو جس میں
ایسا کارِ ثواب کیا کرنا

زندگی جب ہے ایک پل دو پل
پھر اسے بے حساب کیا کرنا

■■■

مسکراتے ہوئے سورج نے کہا
خود کو ڈھونڈو تو اجالے ہوں گے

■■■

■

ہمیشہ ظلمتوں کو صورتِ تنویر سمجھا تھا
سرابوں کو بھی اکثر خواب کی تعبیر سمجھا تھا

سکوتِ دائمی کو چیرتی آواز ہوں لیکن
وہ ناداں مجھ کو اک خاموش سی تحریر سمجھا تھا

میں زندہ تھی میں زندہ ہوں اسے کیسے بتاتی جو
مجھے دیوار پر لٹکی ہوئی تصویر سمجھا تھا

ہوائیں بھی مسافت کا اسے احساس کیا دیتیں
پرِ پرواز کو جو حلقۂ زنجیر سمجھا تھا

جہاں تک بھی ہوا ممکن رہی میں مستعد لیکن
مرے جہدِ مسلسل کو مری تقدیر سمجھا تھا

وہ چشمِ ملتفت مجھ پر نہیں سب کے لیے ہی تھی
دلِ معصوم اپنی چاہ کی تاثیر سمجھا تھا

بس اک دو بول پڑھوا کر کہیں کچھ نام لکھوا کر
زمیں زادے نے عورت کو محض جاگیر سمجھا تھا

یہ رودادِ وفا ایسی نہیں کہ داستاں بنتی
وہ ناحق خود کو رانجھا اور مجھ کو ہیر سمجھا تھا

■ ■ ■

بنا لہروں کے ساکت اک جگہ ٹھہرا ہوا تھا
سمندر مجھ سے بڑھ کر پیاس میں ڈوبا ہوا تھا

■ ■ ■

■

یہاں موجود ہونے کی نشانی چھوڑ جاؤں گی
ادھوری ہی سہی اپنی کہانی چھوڑ جاؤں گی

یہ سب الفاظ جو الہام کی صورت اترتے ہیں
میں دے کر ان کو رنگِ جاودانی چھوڑ جاؤں گی

یہ سوچا ہے کہ اک ماں ہوں سو بچوں کو وراثت میں
غم اپنے ساتھ لے کر شادمانی چھوڑ جاؤں گی

وہ جس میں سانپ بھی مر جائے لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے
اک ایسی راہ کو کوئی درمیانی چھوڑ جاؤں گی

زمانہ چاہے جتنا بھی ترقی کر چلے لیکن
میں نسلِ نو میں اک نانی پرانی چھوڑ جاؤں گی

میری بیٹی کے پیکر میں اگر ممکن ہوا رضیہ
میں ہنستی گاتی اٹھلاتی جوانی چھوڑ جاؤں گی

■ ■ ■

عجیب طرح کی بندش ہے یہ محبت بھی
نہ اس نے قید میں رکھا نہ ہم ہوئے آزاد

■ ■ ■

■

متاعِ درد کی جاگیر بن کر
میں ابھری ہوں تری تصویر بن کر

مرا رستہ وہ دیکھو روکتی ہے
تمہاری یاد اک زنجیر بن کر

مجھے رہنا ہے یونہی نامکمل
ادھورے خواب کی تعبیر بن کر

کسی بھی دن میں اترونگی یقیناً
فصیلِ شب پہ اک تنویر بن کر

زمیں پہ دل کی آیا سبز موسم
دعاؤں کی حسیں تاثیر بن کر

کسی کی کج ادائی آج رضیہ
ہوئی پیوست دل میں تیر بن کر

■ ■ ■

میرے اندر جو شور رہتا تھا
جانے کس خاموشی میں ڈوب گیا

■ ■ ■

■

ترے خیال کی حد سے گزر گئے اب تو
ہر اک ملال کسی حد سے گزر گئے اب تو

جو عکس شیشۂ جاں میں جمال بن کے رہا
اسی جمال کی حد سے گزر گئے اب تو

زمیں سے بامِ عروجِ فلک پہ جانے تک
ہر اک زوال کی حد سے گزر گئے اب تو

سوال جتنے کیے سب ہی لاجواب ہوئے
سو ہر سوال کی حد سے گزر گئے اب تو

Razia

ہر ایک جذبۂ دل کی حدوں سے بیگانہ
یہ ماہ و سال کی حد سے گزر گئے اب تو

اماں ملی تو اسی کے کرم کے سائے تلے
فریبِ جال کی حد سے گزر گئے اب تو

■ ■ ■

چاند نظروں سے کیا ہوا اوجھل
میری پلکوں پہ سج گئے تارے

■ ■ ■

غالب کی زمیں میں

خاک گم گشتہ رہے گی یہ امر ہونے تک
رات کی گود میں سوئیں گے سحر ہونے تک

بند آنکھوں کو یونہی بند رکھیں گے ہردم
خواب کو خواب سے پھر خواب نگر ہونے تک

شب سیاہی سے کنارہ نہیں کر پائے گی
ہر ستارے کو مرے رشکِ قمر ہونے تک

زندگانی سے نبرد آزما رہنا ہوگا
اس مکاں کو اے خدایا مرا گھر ہونے تک

چاہے آنگن میں مری شامِ غریباں اترے
دل کی قندیل جلے زیست بسر ہونے تک

غم کی بھٹی میں سلگنا مجھے منظور رہے
قطرۂ اشک کو پلکوں پہ گہر ہونے تک

اے خدا عشق قلم سے مرا قائم رکھنا
اور ہنر کو یہ مرے رشکِ ہنر ہونے تک

■ ■ ■

میرے پیروں تلے زمیں نہ رہی
جب مرے سر پہ آسمان گرا

■ ■ ■

■

ہر خطا مختلف ہر سزا مختلف
کیونکہ سب کا یہاں راستا مختلف

ہو سکے تو فضاؤں میں پر کھول دے
دیکھنا پھر چلے گی ہوا مختلف

میرے زعمِ محبت کے یہ بھی سبب
ہے تیرے حسن کی ہر ادا مختلف

خنجرِ حرف سے دل جو زخمی ہوا
ہوگیا رنگِ دستِ حنا مختلف

ہجر اور وصل سے ماورا ہوگئے
ربطِ باہم کا اب سلسلہ مختلف

آپ جیسے ہیں ویسے نظر آئیں گے
چاہے جتنا بھی ہو آئینہ مختلف

وہ جو میرا نہیں تو کسی کا نہ ہو
اب کے مانگی ہے دل نے دعا مختلف

اس کا سایا زمین وزماں سے الگ
کیونکہ ماؤں کی اپنی ردا مختلف

جسم بھی ایک سا روح بھی ایک سی
ہوگئے کیوں یہاں سب جدا مختلف

■ ■ ■

رقص کرتے ہوئے جب حد سے گزرنا چاہا
تب ہمیں حلقۂ زنجیر کا احساس ہوا

■ ■ ■

■

خاموش پرسکوں سی انگنائی چاہتا ہے
دل ہے مرا قلندر، تنہائی چاہتا ہے

محدود ہو نہ اپنی آنکھوں تلک بصارت
اب پور پور میرا بینائی چاہتا ہے

اعصاب جس میں ڈوبیں افکار جس میں جھومیں
فطرت کی گونج میں دل شہنائی چاہتا ہے

ایثار اس میں ایسا، دونوں جہاں تج دیں
بے ساختہ یہ دل وہ سودائی چاہتا ہے

Razia

فرشِ زمیں پہ کب ہے دل سا بھی کوئی پاگل
پستی میں رہ رہا ہے اونچائی چاہتا ہے

دہشت کی اس فضا میں وحشت کی اس ہوا میں
جو بھائی کا ہو سانجھا وہ بھائی چاہتا ہے

مسمار کر کے اپنے سب خواب کوئی رضیہ
اپنے نگاہ ودل کی پسپائی چاہتا ہے

■ ■ ■

اپنی نظروں سے گرنے لگتی ہوں
میری تعریف مت کیا کیجئے

■ ■ ■

■

زمیں پہ کس کے لیے آسماں سے رکھا گیا
مرا وجود الگ اس جہاں سے رکھا گیا

عجب کہانی ہماری تھی جس کا ہر آغاز
جہاں پہ ختم ہوئی تھی وہاں سے رکھا گیا

کوئی جواز تو ہوگا عظیم ہستی کا
جو بے نیاز مجھے ہر فغاں سے رکھا گیا

میں بود و باش سے بیگانہ، پرسکون رہی
کہ سلسلہ ہی مرا لامکاں سے رکھا گیا

مرے قلم کو بنا کر سفیرِ جذبۂ دل
میرے مقام کو حرف و بیاں سے رکھا گیا

بھٹکتی کس لیے دنیا میں در بدر آخر
کہ رابطہ ہی ترے آستاں سے رکھا گیا

■ ■ ■

اور ہوں گے جنھیں نفرت سے نہیں ہے فرصت
ہم نے تو صرف محبت سے کی ہے

■ ■ ■

■

خواب در خواب نشاں چھوڑ آئے
آج ہم کون ومکاں چھوڑ آئے

شعلۂ دل کو بجھا کر اپنے
اس کی آنکھوں میں دھواں چھوڑ آئے

پیشِ آئینہ یہ احساس ہوا
خود کو ہم جانے کہاں چھوڑ آئے

اب وہ تقلید کرے یا نہ کرے
ہم تو قدموں کے نشاں چھوڑ آئے

رنگِ عرفانِ محبت پاکر
خواہشِ عشق بتاں چھوڑ آئے

ایک ان دیکھے جہاں کی خاطر
خود سے وابستہ جہاں چھوڑ آئے

ساتھ لے آئے یقیں کا منبع
پشت میں وہم وگماں چھوڑ آئے

■■■

رسم پھیلی یہاں سیاست کی
ہم محبت کی بات کیا کرتے

■■■

■

جذبۂ دل کو شرافت سے جوڑ
حسن کو رنگِ محبت سے جوڑ

کیا جو یہ شیشۂ دل ٹوٹ گیا
تو اسے چشمِ عنایت سے جوڑ

کس لیے اے دلِ ناداں خود کو
کرلیا عرصۂ وحشت سے جوڑ

جستجو جس کی ہے مل جائے گا
دل کو اربابِ سخاوت سے جوڑ

کارگر ہوگی دعائے دل بھی
تو اسے اشکِ ندامت سے جوڑ

■■■

بیٹھے ہی رہے تھام کے دل اہلِ محبت
محفل سے اٹھی میں جو غزل اپنی سنا کر

■■■

اس ڈر سے پلٹ آئی ہوں گلشن سے سرِ شام
آسیب زدہ ہو نہ کہیں شاخِ شجر بھی

■■■

■

آشفتہ مزاجی کو بھلانے کے نہیں ہم
غمِ زیست کی تختی پہ سجانے کے نہیں ہم

جس بات کے سننے کو ترستی ہے سماعت
تم کچھ بھی کہو تم کو سنانے کے نہیں ہم

میزانِ محبت میں مساوات ہے لازم
جو روٹھ گیا اس کو منانے کے نہیں ہم

انکار کیا ہے تو بس اک بات سمجھ لو
اک بار چلے جائیں تو آنے کے نہیں ہم

اصناف خودی کو ترے قدموں میں جھکا کر
معیارِ محبت کو گھٹانے کے نہیں ہم

سوئی ہے تری یاد کی خوشبو کو لپیٹے
اب رات کی رانی کو جگانے کے نہیں ہم

جی چاہے سو جو آپ کیے جایئے بے شک
احساس کی قندیل بجھانے کے نہیں ہم

ہوتی ہے تو ہو جائے ہر اک شاخ برہنہ
اس پیڑ سے چڑیوں کو اڑانے کے نہیں ہم

■ ■ ■

بہت ممکن ہے یہ کہ لوٹ آؤں میں تری جانب
اگر تم دیر تک اور دور تک مجھ کو صدائیں دو

■ ■ ■

■

صبح تک ساتھ رہا میرے مری ذات کا دکھ
کس نے دیکھا ہے یہاں بڑھتی ہوئی رات کا دکھ

اس نے سمجھا نہیں اور اس نے مجھے چھوڑ دیا
بات بے بات رہا ہے اسی اک بات کا دکھ

قرب کی تیری طلب وصل کی قالب میں ڈھلی
جانے کیوں پھر بھی رہا تجھ سے ملاقات کا دکھ

روبرو میرے یہ دنیا کی حقیقت جاگی
جب کھلا اپنے تخیل پہ طلسمات کا دکھ

Razia
ubhan\Fin

اس سے جیتوں بھی اگر دل کو مسرت نہ ملے
ہار جاؤں بھی تو رہتا ہے بہت مات کا دکھ

صرف میں ہی تو نہیں ظلم وستم سے گھائل
روز و شب کون ہے جس کو نہیں حالات کا دکھ

■ ■ ■

یوں دیئے سے دیئے جلاتے چلو
کہ اندھیروں کو راستہ نہ ملے

■ ■ ■

■

موج، بادل، صبا، غزل میری
وقت کی ہر ادا غزل میری

شورشِ صبح کا پیام بنے
شام نغمہ سرا غزل میری

تم نے جو کچھ کہا، لکھا میں نے
اِک بہم سلسلہ غزل میری

لفظ محوِ سفر تری جانب
اور ہے راستہ غزل میری

کرچیاں بن کے یہ بکھر جائے
جیسے اِک آئینہ غزل میری

لفظ اجلے، چراغ روشن سے
حرفِ حق کی صدا غزل میری

ہو کے تنہا بھرے زمانے میں
خود سے ہے رابطہ غزل میری

فکرِ پرواز آسمانوں تک
میری ماں کی دعا غزل میری

حسن کی ابتداء اگر تم ہو
عشق کی انتہا غزل میری

■ ■ ■

ملے کبھی جو یہ بے نام جستجو کا صلہ
خدا کرے کہ مرا دل ہو اور تم اس میں

■ ■ ■

■

جو ایک عمر گزرنے کے بعد آیا ہے
وہ تپتی دھوپ میں اک خوشگوار سایا ہے

متاعِ زیست جو جانے لگی تو جانے دیا
کہ ایک سیپ سمندر سے میں نے پایا ہے

بہت ہی دور سے اپنا جسے میں سمجھی تھی
وہ پاس آیا تو اپنا نہیں پرایا ہے

وہ بات آج بھی جاں پر گراں گزرتی ہے
وہ ایک بات بہت جس نے دل دکھایا ہے

کہ جب گمان بھی دل کو نہ تھا بچھڑنے کا
وہ وقت میرے شب و روز میں بھی آیا ہے

میں سر جھکاتی نہیں شکر سے تو کیا کرتی
کہ اس مقام پہ تو ہی تو مجھ کو لایا ہے

بھگت رہی ہوں اسی کی سزا میں آج تلک
جو پھل بہشت میں اک روز ماں نے کھایا ہے

■ ■ ■

اک نئی سمت کی جانب ہے سفر میرا اب
تجھ سے شکوہ بھی نہیں تیری تمنا بھی نہیں

■ ■ ■

■

نہ تیرگی میں سراپا ملال ہو جاتے
ذرا سی روشنی ملتی نہال ہو جاتے

اڑاتے خود ہی پرندوں کو توڑ کر پنجرے
کبھی ہم ان کے لیے خود ہی جال ہو جاتے

جو دسترس میں تھے لمحے گنوا دیے سارے
وگرنہ ہم بھی بہت باکمال ہو جاتے

تمہارے نام کی چادر لپیٹ کر خود پر
شبِ وصال سراپا دھمال ہو جاتے

Razia
ubhan\Fin

گزرتے آج خودی اور وفا کی سرحد سے
مثال بن کے تری بے مثال ہو جاتے

بدل کے سمت بھی ہم تم سے دور کب رہتے
اگر جنوب میں رہتے شمال ہو جاتے

کبھی نہیں ملے رضیہؔ وہ دل کے زخموں کو
جو لفظ میرے لیے اندمال ہو جاتے

■ ■ ■

یہ بھی اکثر اداس رہتی ہے
شام عاشق مزاج ہوتی ہے

■ ■ ■

■

بجھا کے طاق پہ رکھا ہوا دیا ہے پھر
بھٹک گیا جو مسافر عجیب کیا ہے پھر

ہٹا کے چاک سے یہ کوزہ گر بھی سوچ میں ہے
کہ مشتِ خاک میں طوفاں نیا اٹھا ہے پر

سمندروں سے جو ابھرے تو ساحلوں نے کیا
کہ سوئے دشت وہ مجنوں کوئی چلا ہے پھر

قدم سنبھل کے اٹھانا ذرا اے خاک بسر
سفر کو ایک نیا ہمسفر چلا ہے پھر

چراغ گل ہوئے سارے ہوا کی سازش سے
جلا رہے ہو دیا، سوچ لو، ہوا ہے پھر

لگا جو بیٹھے ہو دنیا سے دل تو یہ سمجھو
بقا کے بعد یہی زندگی فنا ہے پھر

■ ■ ■

تکیے میں منہ دے کر جو بے چین رہے
میری گود میں سر رکھتے تو سو جاتے

■ ■ ■

■

مزا کیا ہے محبت میں سدا صدمے اٹھانے کا
جگر پر چوٹ کھا کر بھی لبوں سے مسکرانے کا

چلو دیکھیں کہاں تک اس پہ اب پورے اترتے ہیں
کیا ہے ہم نے بھی وعدہ کسی کو بھول جانے کا

ارے او زندگی نہ پوچھ ہم ہیں کتنے شرمندہ
سلیقہ آج تک پایا نہیں تجھ کو نبھانے کا

دمِ رخصت نگاہوں کا جھکا رہنا ہی اچھا ہے
وگرنہ خوف ہے ان میں تمہارے ڈوب جانے کا

حدِ آخر کو چھو بیٹھی سیاہی بخت کی اپنی
نہیں کچھ فائدہ حاصل یہاں دل کو جلانے کا

نیا انداز لے کر اک ستم ایجاد آیا ہے
عداوت سے محبت کو سراپا آزمانے کا

متاعِ دو جہاں سے ہوگیا ہے دل یہ بیگانہ
صلہ کچھ تو ملا ہے آستاں پہ سر جھکانے کا

■ ■ ■

تم نے آنے میں دیر کر دی ہے
زخمِ دل اب تو بھر گیا میرا

■ ■ ■

■

دل کو الفت کا حسیں ساز نہ سمجھا جائے
میرا لہجہ میرا غماز نہ سمجھا جائے

ایک دھوکہ ہے تسلی ہے فقط دل کی لگی
رات کو صبح کا آغاز نہ سمجھا جائے

وہ ہوں نادان کہ دانا ہیں یہاں سب گھائل
وہ محبت سے رہیں باز نہ سمجھا جائے

مُہر بہ لب ہوں میں اگر مشقِ ستم پر اس کے
اس کو ہی جینے کا انداز نہ سمجھا جائے

اک نہ اک دن تو اسے اس تن سے جدا ہونا ہے
دم کو ہر دم مرا دمساز نہ سمجھا جائے

ماتمی رات، بجھے تارے ادھورا ماہتاب
ان کو ہرگز مرا ہمراز نہ سمجھا جائے

■ ■ ■

متاعِ وہم و گماں سے یقیں کشید کیا
تو پھر تمہاری طرف اٹھ گئے قدم اپنے

■ ■ ■

■

رواں یہ درد کا اک سلسلہ ہے مجھ میں سے
جو میری ذات کو ہی کھوجتا ہے مجھ میں سے

فلک سے اور سوا ہوتی ہے بساط میری
رموزِ عشق وہ جب کھولتا ہے مجھ میں سے

خلاف میرے مرے دل نے یوں گواہی دی
رقیب جیسے مرا جھانکتا ہو مجھ میں سے

عبث تلاش ہے اس روشنی کی تاروں کو
جو روپ چاند کا گہنا گیا ہے مجھ میں سے

ہوں شورِ ذات سے اپنے میں کس قدر نالاں
کہ جیسے مجھ سے کوئی بولتا ہے مجھ میں سے

کسی کے شعر نے میرے قلم کو جنبش دی
مرے وجود نے کچھ پالیا ہے مجھ میں سے

■ ■ ■

دل کی روداد کہی آنکھوں سے
حرف تحریر میں لائے نہ گئے

■ ■ ■

■

جب تجھے دیکھنے نظر جائے
آنکھ، آئینے سے گزر جائے

باغ میں پھول دیکھتا ہو کوئی
اور تری سمت اک نظر جائے

حسن پہلے سے ہو سوا اس کا
شام جب شام میں اتر جائے

جس کی حسرت ہے دور جانے کی

Razia
ubhan\Fin:

وہ مری راہ سے گزر جائے

کیا سمیٹیں گے اپنی ہستی کو
روبرو اس کے جو بکھر جائے

دلِ آشفتہ سر کی دربدری
دیکھنا ہے کہ اب کدھر جائے

تو ہی حدِ نظر رہے اپنی
جب بھی حدِ نظر نظر جائے

■■■

وہ پر تو جانے کس کے حسن کا ہے
اندھیروں میں نظر آنے لگا ہے

■■■

■

منزل پہ چلے آتے ہیں کچھ لوگ بصد شوق
پھر دل میں اتر جاتے ہیں کچھ لوگ بصد شوق

ہمراہ سمجھ کر انہیں ہمراز نہ کیجیے
کہ راہ بدل جاتے ہیں کچھ لوگ بصد شوق

جس لمحہ محبت میں فریقین ہوں کمزور
رسوا انہیں کر جاتے ہیں کچھ لوگ بصد شوق

آسودگی ذات میسر تو ہے لیکن!
حالات سے ٹکراتے ہیں کچھ لوگ بصد شوق

Razia
ubhan\Fin

دنیا میں نہیں دولت و منصب کے پجاری
پھر سوئے حرم جاتے ہیں کچھ لوگ بصد شوق

ہم صحرانوردوں کو رکھیں باز وہ کیونکر
کہ ریت میں نہلاتے ہیں کچھ لوگ بصد شوق

تنہائی کا آسیب لیے دور جو نکلوں
محفل میں اٹھا لاتے ہیں کچھ لوگ بصد شوق

بھر جائے اگر دل جو کبھی فرشِ زمیں سے
آکاش کو چھو جاتے ہیں کچھ لوگ بصد شوق

■ ■ ■

آپ ناحق الجھ رہے ہیں جناب
ہم نے جب کہہ دیا نہیں تو نہیں

■ ■ ■

■

مجھ کو اس کے لوٹنے کی اس لیے بھی آس ہے
جو کبھی کھویا تھا جھمکا وہ اسی کے پاس ہے

تتلیاں خوش رنگ کانٹوں میں الجھ کر رہ گئیں
لالۂ و گل میں بھی کوئی رنگ ہے نہ باس ہے

آپ اپنے جال میں صیاد جیسے پھنس گیا
اس طرح میرے لیے یہ زندگی بن باس ہے

ہم تو اپنے دوست سے اکثر الجھتے ہیں حضور
رہتے ہیں محتاط اس سے جو رقیبِ خاص ہے

تم کو پانا اور کھو دینا ہے دونوں ایک سا
پہلے وہ غم راس تھا اور اب یہ غم بھی راس ہے

اقتباس قصہ ہائے دل کی کچھ مت پوچھیے
کم سے کم لفظوں میں بے حد اک حسیں احساس ہے

■ ■ ■

بے گھر تھی میرے دل میں گھر بنا دیا
مجھ کو تو ضبطِ غم نے تونگر بنا دیا

■ ■ ■

■

فلک پر اک ستارہ ہوگئی ہوں
سمندر کا نظارا ہوگئی ہوں

بصارت جب سے پائی ہے نظر نے
میں خود پر آشکارا ہوگئی ہوں

مٹایا تھا جہاں پر اس نے مجھ کو
وہیں ظاہر دوبارہ ہوگئی ہوں

وہ جس نے فائدہ مجھ سے اٹھایا
اسی کا میں خسارہ ہوگئی ہوں

سمیٹا ہے مجھے جب سے کسی نے
بکھر کر پارہ پارہ ہوگئی ہوں

غموں کو اس قدر جھیلا ہے رضیہ
خوشی کا استعارہ ہوگئی ہوں

■■■

میں اگر تم سے ہم کلام ہوئی
لفظ مفہوم ہی بدل دیں گے

■■■

■

کبھی ان رتجگوں میں اور کبھی میں خواب میں اتری
سراپا دردِ دل بن کر دلِ بیتاب میں اتری

کہانی میری گوشہ گوشہ قریہ قریہ جب پھیلی
میں عنوانِ وفا بن کر تمہارے باب میں اتری

اچانک ساتھ چلتے چلتے اک دم سے جدا ہو کر
حسیں اک موڑ پر میں قصۂ نایاب میں اتری

کمالِ فن سے دامن اپنا کانٹوں سے چھڑایا اور
میں خوشبو بن کے گلشن میں گلِ شاداب میں اتری

Razia
ubhan\Fin

مرے آنسو گرے جب تپتے صحرائے محبت میں
تو بن کر اک سمندر گریۂ بے آب میں اتری

اٹھاتی اک قدم تو دوسرا دھنستا چلا جاتا
میں اک گرداب سے نکلی تو اک گرداب میں اتری

میں گرمی جب بدن کی کھو چکی تو روشنی بن کر
کبھی یہ نیلگوں پانی کبھی مہتاب میں اتری

■ ■ ■

سر جھکاتے ہوئے یہ سوچتی ہوں
سر بلندی کس قدر ہے مشکل

■ ■ ■

■

پھول در پھول قطاروں کا شمار
اس طرح جیسے بہاروں کا شمار

اتنی تیزی سے شبِ ہجر کٹی
کر نہ پائی میں ستاروں کا شمار

دیکھنے کو ہیں فقط دو آنکھیں
کیسے کر پاتی نظاروں کا شمار

قطرۂ اشک کو ممکن ہو ملے
عارضِ گل پہ شراروں کا شمار

حاصلِ اذن نوائی کے بغیر
کر لیا تیرے اشاروں کا خمار

زندگی اپنی بھنور میں گزری
کیا کریں اب یہ کناروں کا شمار

کب عدو کا ہے یہ شیوہ رضیہؔ
دلِ مردہ کے مزاروں کا شمار

■ ■ ■

■

غم تو غم ہیں آپ کی خاطر خوشی بھی مسترد
آپ کہتے ہیں تو لیجیے زندگی بھی مسترد

صحنِ گلشن میں کھلے پھولوں سے کیا نسبت ہمیں
عکس نہ ہو جس میں تیرا وہ کلی بھی مسترد

ہم بیاں کرتے بھی کیسے حالِ دل اپنا جہاں
گفتگو بھی مسترد ہو خامشی بھی مسترد

مختصر قصہ ہوا کارِ جہاں بیکار ہے
روبرو ہے موت کے یہ زندگی بھی مسترد

Razia
ubhan\Fin:

ضبط کا رضیہ مقامِ منجمد آ ہی گیا
ہوگئی ہے چشمِ گریہ کی نمی بھی مسترد

■ ■ ■

مرے لیے تو مرا امتحان تم ہی تھے
اب اور کوئی نیا امتحان کیا ہوگا

■ ■ ■

■

لکھی گئی پانی پہ وہ تحریر بنی میں
ہر دم جو مٹائی گئی وہ تحریر بنی میں

شیشہ کے چٹخ جانے پر جو اسباب بنے ہیں
ماتھے پہ سیاہی کی جو تنویر بنی میں

ممکن نہ رہا صحن میں دیوار کا اٹھنا
تقسیم کبھی ہو نہ وہ جاگیر بنی

مفہوم میرے حرف کا پائے نہ کوئی اور
بے معنی سی الجھی ہوئی تحریر بنی میں

Razia

جس نے مجھے سوچا نہ کبھی چاہا
صد حیف اسی شخص کی تقدیر بنی میں

بک شیلف میں رکھا ہوا دیوان ہوں میں
رکھی ہوئی دیوار پر لٹکی ہوئی تصویر ہوں میں

■ ■ ■

■

سچ ہے دیارِ عشق میں راحت بھی اب نہیں
راحت تو کیا ہے رسمِ محبت بھی اب نہیں

کیا جانے واعظوں نے کہا ان سے کان میں
وعدہ کشوں کو جام کی حاجت بھی اب نہیں

عزم و طلب کو ہم نے سرِ طاق رکھ دیا
بے دادگر سے کوئی شکایت بھی اب نہیں

اِس دل میں دفن کرلی ہے ہر درد کی صلیب
چارہ گرانِ زخم کی حاجت بھی اب نہیں

Razia

سر پھوڑتا ہے کس لئے نادان دل بتا
دلبر کی تجھ پہ جبکہ عنایت بھی اب نہیں

وہ آنکھ جس میں خواب کی صورت بسے تھے ہم
اس آنکھ میں تو اشکِ ندامت بھی اب نہیں

یوں اضطرابِ دل میں ہوئے ہم مبتلا
لمحے سکوں کے باعثِ راحت بھی اب نہیں

■ ■ ■

■

مقتل میں کاٹنی ہے مجھے ایک رات اور
باقی ہے میرے لہو کی زکوٰۃ اور

ایک اور زندگی بھی ہو میرے نصیب میں
لکھوں جو زندگی کے اگر واقعات اور

اپنی ہی جستجو میری پیشِ نظر نہیں
ہیں سامنے مرے کئی ناممکنات اور

اِس دل کی آرزو کی طلب اور ہی کوئی
ہیں عجز بندگی کے مگر واجبات اور

میں عشق کی زبان میں کرتی نہ کوئی بات
ہوتی اگر نہ حُرفِ محبت کی بات اور

میں دیدہ ور نہیں ہوں مگر جانتی تو ہوں
ہوتے ہیں حادثات پسِ حادثات اور

اِک اور زندگی کی طرح ہو یہ زندگی
رضیہؔ ملے جو وہم وگماں سے نجات اور

■ ■ ■

■

هوا چلی تو بہت دیر تک رکی ہی نہیں
کہ جیسے یاد تمھاری کبھی تھی ہی نہیں

سماعتوں میں مری گونجتی رہی ہر دم
وہ ایک بات جو اس نے کبھی کہی ہی نہیں

نہ جانے کس لئے اس کا ہی انتظار رہا
وہ ایک شخص کہ جس سے کبھی ملی ہی نہیں

ہوا نے جب بھی اڑایا کسی فلک کی طرف
عجب خاک تھی جو خاک میں ملی ہی نہیں

کبھی لگا کہ بہت تیز رو رہے لمحے
کبھی لگا کہ صدیوں سے میں چلی ہی نہیں

کلی جو دل میں محبت کی اک ہنسی تھی کبھی
وہ میرے باغِ تمنا میں تو کھلی ہی نہیں

میں ایک سفیر ہوں رضیہ گداز لہجوں کی
خفا کسی سے کبھی دیر تک رہی ہی نہیں

■ ■ ■

■

سیاہی شب غم کو بجھا ، چراغ جلا
بجھا یہ آتش نفرت بجھا ، چراغ جلا

مسافران محبت کی اس خموشی سے
تو ایک نغمہ ہستی جگا، چراغ جلا

ہوائے تند مخالف رہی ہمیشہ سے
ہر ایک شکوہ فردا بھلا، چراغ جلا

نویدِ صبح یہی ہے مسافرِ شب کو
بجھا دے یاس کا دیپک جلا، چراغ جلا

شکست دینے کا جذبہ اگر مصمم ہے
تو ایک چراغ سے پھر دوسرا چراغ جلا

اندھیرا بانٹنے والے مسافر شب کو
وہ دیکھ دیکھ رہا ہے خدا چراغ جلا

■ ■ ■

■

نہ ہو جس میں کوئی رغبت وہ نسبت اور ہوتی ہے
جو نسبت ہو کسی سے وہ محبت اور ہوتی ہے

محبت آگ ہے اور دور رہنے سے بھڑکتی ہے!
شبِ ہجراں میں دردِ دل کی شدت اور ہوتی ہے

شہر کو روشنی میں رات بھر روشن ہی رہنے دو
اندھیروں میں گناہوں کی سہولت اور ہوتی ہے

سرِ راہ یہ اگر مل جائے پتھر سب سمجھتے ہیں
انگوٹھی میں لگے ہیرے کی قیمت اور ہوتی ہے

یہ مانا کہ کوئی بھی وقعت نہیں ٹوٹی ہوئی شے کی
شکستہ دل کی لیکن قدر و قیمت اور ہوتی ہے

نہیں دشوار دنیا میں فرشتے کی طرح جینا
اگر انسان بنا ہو تو محنت اور ہوتی ہے

■ ■ ■

سوچ

سوچتی ہوں یہ بات میں اکثر
حسنِ فطرت سے دور رہ جاتی
چاند اور چاندنی نہ بہلاتی
کب ستاروں سے آشنا ہوتی
لمحۂ وصل بھول کر اکثر
ہجر کے غم میں گھٹ کے رہ جاتی
زندگی کو سمجھ نہیں پاتی
اپنے احساس اور جذبوں کو
اچھے الفاظ کیسے پہناتی

وہ اشاروں سے یا کنایوں سے
کیسے دلدار کو صدا دیتی
تجربے اپنی زندگانی کے
رقم قرطاس کیسے کر پاتی
درد سینے میں دب کے رہ جاتا
آہ کیونکر فلک پر پہنچاتی
یونہی گمنام سی اندھیروں میں
ضبطِ غم سے ضرور مر جاتی
میں اگر شاعری نہیں کرتی!!

■ ■ ■

ایک تصویر

(ایلان کردی)

عجب اک کرب اور اک درد کی تصویر دیکھی ہے
لبِ ساحل کسی معصوم کی جب لاش دیکھی ہے
مہکتا پھول چکنی ریت پر اک معجزہ بن کر
اچانک صبحِ دم ساحل پہ آ کر کھل اٹھا جیسے
یہ لہریں بے بسی سے اور دھیرے سے
اسے چومیں، کبھی اس کی بلائیں لے
یہ بادل ساتھ ہو کر سوگ میں ڈوبے

Razia
ubhan\Fin:

ہوائیں ماتمی ہو کر بہت بے چین و سرگرداں
یہ موجوں کی لکیروں نے جو اک تحریر لکھی ہے
اسے کوئی نہیں پڑھتا اسے کوئی نہیں سنتا
کہ یہ تہذیب کیسی ہے
جہاں انسانیت کے نام پر
انساں ہی مرتا ہے
وہ بچہ سو گیا ہے ایسے
جیسے تتلی اڑتے اڑتے
تھک کر پھول پر سوئے
کوئی ہے آج جو انسانیت کے
نام پر روئے!!

■ ■ ■

المیہ

تمہارے عشق میں سرشار
جانے کیوں سنہری راستوں پر
چل رہی تھی میں!
تمہارا ہاتھ میں تھا ہاتھ
اور نہ تم ہی پہلو میں
تمہارے ہجر میں بھی
سلگتی جاں میں ٹھنڈک تھی
تمہاری کج ادائی میں
محبت کی گھلاوٹ تھی
بہت خوں میں روانی تھی

بڑی ہی خوش گمانی تھی

حصارِ شب کو توڑیں گے
صبح کا نور پائیں گے
کبھی ہم ساتھ ہو کر
اس افق کے پار جائیں گے
مگر یہ کیا ہوا
ہم تو افق کے پار
اس ارض و سما جیسے
کبھی جو مل نہیں پائیں وہ
زمیں کے دو کنارے سے
خوشی اور چاہتوں کے
نامکمل استعارے سے!

■ ■ ■

سنو

فلک کچھ بھی نہیں کہتا
زمیں کچھ بھی نہیں کہتی
مگر پھر بھی نہ جانے کیوں
میں ان کی ان کہی سرگوشیاں
چپ چاپ سنتی ہوں
جو اکثر روح میں میری
خموشی سے اترتی ہیں
کسی بھی کورے کاغذ پر
حسیں الفاظ کی صورت
ابھرتی ہیں!
بہت کچھ مجھ سے کہتی ہیں
بہت کچھ تم سے کہتی ہیں

■ ■ ■

سانحۂ پشاور

مجھے کچھ دن سے رنگِ آسماں بدلا سا لگتا تھا
کہ جیسے خون کا رنگ ہو
مجھے کچھ دن سے پانی میں مہک محسوس ہوتی تھی
کہ جیسے خون شامل ہو
میری بینائی بھی مخدوش سی کچھ دن سے لگتی تھی
جدھر بھی دیکھتی دھبے نظر آتے
عجب سے سرخ رنگ کے گدلے گدلے
میں جب کچھ سوچتی تو منجمد سی سوچ ہو جاتی
میرے چاروں عناصر برف کی تہہ میں لپٹ جاتے
میرا دل کانپتا تھا بے وجہ
پھڑکتی آنکھ بھی تھی بے سبب
کہیں باہر نکلتی پاؤں میرے لڑکھڑاتے
جو شب بستر پہ لیٹوں
کروٹوں میں رات کٹتی تھی
صبح تک جاگتی روتی تھی جانے کیوں
میرے پہلو میں لیٹے اپنے شہزادے کو اکثر پیار کرتی
چومتی اس کو دعا دیتی

پھر اک دن اس کو میں نے بے دلی سے
کسمکساتے چاند کو اسکول بھیجا تھا
وہ جب جانے لگا تو میں نے اس کو پیار سے دیکھا
عجب اک نور تھا چہرے پر اس کے
نظر لگ جائے نہ میرے جگر کو
پلٹ کر دوسری جانب مڑی
دعائیں پڑھ کے جب میں پھونکنے کو
جو اس کی سمت پلٹی
ارے وہ جا چکا تھا!!
مرا دل دھک سے ہو کر رہ گیا تھا
میں اپنے لعل کو اللہ نگہباں کہہ نہ پائی
عجب پچھتاوا دل میں اٹھ رہا تھا
میری آنکھیں مسلسل در پہ جا کے ٹک گئی تھیں
ابھی کچھ دیر گزری
کسی نے در پہ دستک دی
جو دروازہ کھلا دیکھا
میرا بیٹا پلٹ آیا
مگر وہ اپنے قدموں پر نہیں تھا
اسے سب نے اٹھایا تھا!!

■ ■ ■

روشنی

مرے خدا مری آنکھوں میں روشنی بھر دے
وہ روشنی کہ نظر آئے گھپ اندھیرے میں
وہ روشنی کہ جو انساں کے جسم سے ہٹ کر
گداز روح کی سب سلوٹوں کو سلجھا دے
وہ روشنی کہ جو مکروہ فعل سے ہٹ کر
کسی کی نرم ملائم ہنسی کو چھو جائے
وہ روشنی کہ ہٹا دے دبیز پردوں کو
اور پتھروں کے یہ زنداں میں دیکھ پاؤں
محبتوں سے دھڑکتے ہوئے یہ نازک دل!

■ ■ ■

دسمبر

بزمِ غیر میں وہ اچانک ملا
کہنے لگا سنو
دسمبر پھر آ گیا
اپنے ساتھ انگیٹھی لحاف
اور مونگ پھلی کے علاوہ
تمھاری سردیاں بھی لے آیا
پھر میں اس کو گزار کر
جنوری کی صبح
نیا عہد لے کر جاؤں گا

اپنے آپ سے سمجھوتہ کرنے کا
تمھاری بے رخی کو بھول جانے کا
دنیا سے حوصلے سے نبرد آزما ہونے کا عہد
سنو تم کیا کہتی ہو
جواب میں
میں نے تو صرف اتنا کہا
دوست
میرے لئے ہر صبح
جنوری ہے
ہر شام ہے دسمبر !!

■ ■ ■

سفر

(ترجمہ مولانا رومیؒ)

اے کاش جو کرتے شجر یہ سفر
نہیں ہوتے کبھی ان کے قدم
ہرگز قلم
کلہاڑی سے یا آری سے!
سفر سورج نہیں کرتا اگر
اس وادیٔ شب میں
ہویدا پھر کہاں ہوتی سحر
جہاں کو جگمگانے
ہمیں ہر دم جگانے!!

اک یہ صبح کی مدت
سمندر جھاگ بن کر
نہ بڑھتا آسماں تک
تو پھر بادل نہ چھٹتے
نہ پھر بارش یہ ہوتی
زمیں کو چیر کر یہ نرم پودے
کبھی باہر نہ آتے
نہ اپنا سر اٹھاتے، لہلہاتے
جو قطرہ سیپ میں جا کر نہ گرتا
نہ موتی جگمگاتا
چم چماتا
جو اپنے باپ سے یوسف
جدا ہوتے نہیں تو
کہاں تھی سرخروئی
کہاں تھی سرفرازی
نہ ہجرت کا سفر کرتے محمد (ﷺ)
مدینے سے تو پھر یہ
فتح اسلام کی کس طرح ہوتی!!

ارے غافل!
ارے ناداں!
قدم اپنے اٹھانے سے

سفر کرنے سے تو محروم ہے اب بھی
تو پھر من میں سفر کر لے
تو اندر ڈوب جا اپنے
متاعِ بے بہا لعل و گہر کی جستجو کر لے
پھر اپنی ذات پر
سورج کی کرنوں کو مہر کر لے

تو اپنے آپ میں کھو جا
تو اپنے آپ کو پا لے
کہ تیرا یہ سفر
اس خاک کو کندن بنا دے گا
تجھے تیرا پتا دے گا
تجھے تجھ سے ملا دے گا!!

■ ■ ■

دلبر

(مرکزی خیال مولانا رومیؒ)

درِ دل پر
مرے دلبر کی وہ پہلی دستک
دل نے پوچھا۔۔۔کون ہے
باہر سے صدا آئی۔۔۔میں
دل نے برجستہ کہا۔۔واپس جا
در رہا بند نہ کھولا دل نے
دل نے دلبر سے کہا۔۔۔تری تکمیل ابھی باقی ہے
غمِ ہجراں سے گزرنا ہوگا
وقت کی آگ میں جلنا ہوگا
پھر کہیں جا کے تو یہ جانے گا

اور خود اپنے کو پہچانے گا
اس طرح مجھ میں اترنا بے سود
بعد مدت کے پلٹ کر وہی دلبر آیا
درِ دل پر دی، بہت ہولے سے دستک اس نے
دل تنہا نے کہا۔۔۔کون
جوش سے اس نے کہا۔۔تو
دل مہک اٹھا کھلا دروازہ
اور دل نے کہا۔۔۔آجا آجا
یہ مرا گھر اے مرے دوست
اے دلبر میرے
ہے فقط ایک مکیں کا مسکن
جس طرح سوئی سے دھاگا گزرے
اس طرح تو مجھے پانے کے لیے
میں تجھے پانے کے لیے
ایک ہی قلب میں ڈھلنا ہوگا
اور اک ساتھ گزرنا ہوگا
ہم جو تقسیم اگر ہو بھی گئے
روح تو اپنی فقط ایک رہے

■ ■ ■

اجل

(ترجمہ مولانا رومیؒ)

جب اجل مجھ کو تھامنے آئے
اور جنازہ مرا نکلنے لگے
بخدا اشکبار مت ہونا
اور اس بات پر یقیں رکھنا
کہ میں مر کر نہیں کسی بھی طرح
کوئی ابلیس کے شکنجے میں
نہ ہی محسوس ہو رہی ہے مجھے
کچھ کمی اس حسین دنیا کی
موت انجامِ زندگی لیکن
یہ ہے آغازِ آخرت کا سفر

کہ جہاں دائمی محبت ہے
گورتو ایک ایسا پردہ ہے
عقب میں جس کے میری جنت ہے
مل کے یہ جسم آج مٹی میں
روح آزاد سر بلند کرے
جس طرح آفتاب ڈوب کے بھی
چاند بھی چھپ کے لوٹ کر آئے
جس طرح بیج جا کے مٹی میں
زندگی کو وجود میں لائے
جس طرح ہر کنوئیں میں گر کر ڈول
کبھی خالی نہ لوٹ کر آئے
اس طرح بعد مرگ میرے دوست
اس جگہ پر ہوں میں جہاں میری
کچھ نہ نسبت ہے وقت سے باقی
اور کوئی جگہ کی قید نہیں
منزلیں راہ میں نہیں حائل
گردشِ وقت سے نکل کر میں
اے میرے دوست ہو گیا آزاد

■ ■ ■

کاش

آشیانے سے اڑ گئے پنچھی
زندگی کی تلاش میں نکلے
اور میں آزردہ دل لئے اکثر
سوچتی ہوں کہ جب وہ ننھے تھے
کس قدر ان کا مجھ پہ تکیہ تھا
میرے دامن سے چمٹے رہتے تھے
جب کہ میں کس قدر الجھتی تھی
ان کی معصوم ،ضد،شرارت سے
اور سمجھتی تھی اس محبت کو

میں فقط صرف ایک کارِ زیاں
کہ نظر میں رہا تھا کارِ جہاں!

آج نورِ نظر جو دور ہوئے
کتنی بے نور ہو گئیں آنکھیں
اک خلش سانس بن کے چبھتی ہے
کاش دنیا سے ہو کے بیگانہ
ان پرندوں کو پاس ہی رکھتی
خوب ان سے میں کھیلتی ہنستی
زندگی کے سبھی مزے لیتی
زندگی کے سبھی مزے لیتی
اس طرح وہ نہ پھر جدا ہوتے
اس محبت سے آشنا ہوتے
جو مری اب متاعِ دنیا ہے!!

■ ■ ■

تحفہ

(ترجمہ مولانا رومیؒ)

جہاں خطرہ نہیں ہے وہاں منزل نہیں ہے
نہ ہو منجدھار تو پھر کہیں ساحل نہیں ہے
وہ کیونکر ہو سکے گا یہاں پر معتبر پھر
مدارِ زیست میں جو کبھی گھائل نہیں ہے
مثال ایک ملاح تجارت کی غرض سے
چلا سامان لے کر کبھی اس پار تو پھر
اسے یہ علم کب ہے کہ
اس کی ناؤ ڈوبے یا کہ ساحل پار پہنچے
لئے امید کا اک بہت مضبوط چپو
وہ انجانے سفر پر نڈر ہو کر چلا ہے
اگر تم یہ کہو کہ

مجھے کوئی یقیں دے میں ساحل چھو سکوں گا
تو پھر بے خوف ہو کر سفر پر چل پڑوں گا
تو مشکل ہے سفر پھر
کٹھن ہے ہر ڈگر پھر
مرے مالک نے
سچ ہے رکھے دو رنہ میرے
بہت پوشیدہ مجھ سے
نہیں یہ علم مجھ کو
گنوا دوں گا میں خود کو
یا ساحل چھو سکوں گا
مگر جو اس جہاں کو مجھے روشن ہو کرنا
خطرے کی آگ لے کر
مجھے آگے ہے بڑھنا
سفر ہر طور کرنا
خدا کو ساتھ رکھ کر
امید و آس لے کر
یقین محکم کی صورت
یقین محکم کی صورت!!

■■■

کائنات کی حقیقت

(ترجمہ مولانا رومیؒ)

اے میرے رب!
دنیا بظاہر منجمد نظر آتی ہے
ٹھہری ہوئی ساکت اور جامد
مگر ایسا نہیں ہے
میرے مالک مجھے دنیا کا وہ رخ بھی دکھانا جہاں
یہ دنیا ساکت و جامد نہیں
گونگی و بہری نہیں
مولا تو نے مجھے مٹی سے پیدا کیا
اس لیے اس مٹی
پر میرا حق ہے

مالک یہاں کے
ذرے ذرے کا راز مجھ پر آشکار کر دے کیونکہ جب
تو نے حضرت موسیٰ کو حکم دیا کہ
پانی میں اپنا عصا پھینک دو تو پانی کا سینہ چاک ہو گیا
جب تو نے حضرت سلیمان کے تابع ہوا کو کیا
تو وہ ان کے قابو ہو گئی
پھر تو نے چاند کو اپنے حبیب محمد (ﷺ) کے اشارے پر
شق ہونے کہا تو وہ دو نیم ہو گیا
اور جب حضرت ابراہیم کو آگ میں پھینکا گیا
تو تیرے اشارے پر وہ گلزار ہو گئی
میرے آقا تیری کائنات چیخ چیخ کر
کہہ رہی ہے کہ وہ سن سکتی ہے
بول سکتی ہے حرکت کر سکتی ہے
تیرا حکم بجا لا سکتی ہے
حالانکہ ہم اسے منجمد ساکت، اور بے جاں سمجھتے ہیں
اے رب مجھے تیری کائنات کا یہ رخ ضرور دکھانا
چاہے اس دنیا میں یا اس دنیا میں
کیونکہ تیرے اشارے بہت واضح ہیں!!

■ ■ ■

نغمۂ وطن

نویدِ صبح، بہار آشنا پیامِ وفا
نشانِ بخت، جبینِ حیا، معیارِ سخن
یہ ماہتاب شرر آفتاب دیپ کلی
خمارِ عشق میں ڈوبی ہوئی ہر اک گلی
یہ ہے زمیں تو کبھی ہے یہ آسماں کی طرح
عظیم دھرتی ہے مجھ کو عزیز ماں کی طرح
چراغِ دل کا مقدر کشادہ وارفع
غرورِ حسن و ادا ناز ہو شباب نما
گھٹا میں اس کی پلے زندگی کا جاہ و جلال

گھمنڈ کرتے ہوئے اس پر روز و ماہ و سال
ہر ایک سمت پہ گونجے تری اذاں کی طرح
عظیم دھرتی ہے مجھ کو عزیز ماں کی طرح

ہے اس کی نوک و پلک پر خیال کا پرتو
جہاں کے نقشے پہ کب پاک سا کوئی چہرا
مہکتی شام رکے، نور صبح گھر آئے
کہ جس کی لوح پہ تاریخ بھی نکھر جائے
کروں گی اس کی حفاظت میں اپنی جاں کی طرح
عظیم دھرتی ہے مجھ کو عزیز ماں کی طرح

■ ■ ■

Agahi Ki Manzil Par

By:

Prof. Razia Subhan Qureshi

میری پروازِ تخیل دیکھ کر
طائروں کی واپسی ہونے لگی

تصانیف

سردآگ	(شعری مجموعہ)	۱۹۹۷ء
خاموش دستک	(شعری مجموعہ)	۲۰۰۲ء
سیپیاں محبت کی	(شعری مجموعہ)	۲۰۰۶ء
مکاں لامکاں	(شعری مجموعہ)	۲۰۱۵ء